47/V I

ایّوبی

تاریخِ اسلام کے جلیل القدر مجاہد اور صلیبی جنگوں کے ہیرو

غازیِ صلاح الدّین ایّوبی

کی درخشاں زندگی، جس پر تاریخِ اسلام ہمیشہ ناز کرتی رہیگی

از

رئیس احمد جعفری

شیخ شوکت علی اینڈ سنز
بندر روڈ۔ کراچی

ایک ناول ہے جسے تاریخ بھی کہا جا سکتا ہے، اور سوانح بھی۔ اف
حسن و عشق بھی ہے۔ اور داستانِ رزم بھی۔ شاہنامہ بھی ہے او
بھی! اس میں موسیقی کے نغمے بھی ہیں اور تلوار رول، کی جھنکار بھی۔
طرح یہ کتاب دلچسپی کا سرمایہ بھی ہے اور معلومات، کا خزینہ بھی!

یہ کتاب اُردو زبان کے مشہور و مقبول صاحب قلم جناب رئیس
جعفری کی شگفتہ نگاری کا نمونہ ہے۔ ہم نے اسلامی تاریخی ناولوں
سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس کی یہ چوتھی کتاب ہے۔ عام طور پر لوگ
تاریخ کا مطالعہ توجہ سے نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے یہ کوشش جا
ہے کہ تاریخ اسلام کے مشہور واقعات ناول کے انداز میں پیش کئے جا
قوموں کی ذہنی تربیت کے لئے جہاں اور مؤثر ذرائع استعمال کئے ج
ہیں۔ وہاں اس ذریعہ کے نفوذ و قوت سے بھی انکار نہیں کیا جا سک

ہم چاہتے ہیں۔ کہ اُردو پڑھنے والے اس طرح ماضی
واقف ہو کر حال و مستقبل کی تعمیر کریں۔

خلیفہ کی تلوار

تاریخ اور واقعات عالم پر جن لوگوں کی نظر ہے، وہ اس حقیقت سے
خبر ہیں کہ ۳۵۸ھ میں مصر کی دولت اخشیدیہ کا خاتمہ کرکے، عبیدی یا فاطمی
اندان نے اپنی حکومت قائم کرلی، یہ خاندان اپنے ہیرو، اور سپہ سالار جوہر
کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا، اس کی ساری کامرانیاں، اور کامیابیاں، فتح مندیاں
ور فیروز بختیاں، شادکامیاں، اور حوصلہ آزمائیاں، تمام تر رہین منت تھیں جوہر
کی — جوہر — سسلی کا رہنے والا تھا، ایک معمولی غلام کی حیثیت سے،
اندان فاطمی، یا عبیدیہ مریانی کے حضور میں پہنچا، کچھ دن تک غلامانہ زندگی بسر
کی، لیکن بہت جلد، آقائی دور کی نیافہ شناس نظروں نے تاڑ لیا، یہ جوہر
غلام، جوہر قابل ہے، اگر اس کی صحیح تربیت ہو تو کام کا آدمی بن سکتا ہے،
اپنا مستقبل سنوار سکتا ہے، اور آقا کی گراں بہا خدمات انجام دے سکتا ہے،
دیکھتے ہی دیکھتے جوہر فوج میں ایک سپاہی کی حیثیت سے نظر آنے لگا،
سپاہی کی حیثیت سے اُس نے ایسے ایسے معرکہ آرا کارنامے انجام دیئے کہ
امرائے فوج میں شامل کرلیا گیا، اور امیر فوج بننے کے بعد تو اگر جوہر کے
کارناموں کو کسی طرح حذف کردیا جائے تو یہ خاندان ہی نابود، اور بے نام و
بے حقیقت ہو کر رہ جائے گا، وہ جوہر ہی تھا، جس نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر
ہر طرح کے خطرات و خدشات کا مقابلہ کرکے، دشمنوں کی یورشوں، اور یلغاروں کا

سیلِ رواں روک کر، اپنے آقا، اور اُن کے خاندان کو لازوال دائمی وقا[ر کا]
وارث، اور حامل بنادیا، وہ جوہر ہی [تھ]ا، جس نے نہ صرف مصر فتح کیا، بلکہ
کی فوجیں شام و حجاز تک پہنچ گئیں، اور یہ گراں مایہ تحفہ اُس نے
عقیدت کے ساتھ اپنے آقا کی خدمت میں پیش کردیا۔

مصر پر جوہر کے عظیم احسانات ہیں، یوں تو مصر پر مسلمانوں نے حض[رت]
عمر فاروقؓ کے عہد میں قبضہ کرلیا تھا، اور عمرو بن العاص نے گورنر کی حیثیت
سے ہر مرتبہ متاثر ہونے کے بعد وہاں اسلامی حکومت و اقتدار کا پرچم لہ[رایا]
لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ مصر نے جو ترقی اور جو کمال
جو دبدبہ عہد فاطمی میں حاصل کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے، مصر کا سب سے
زیادہ شان دار، یادگار، اور خوبصورت شہر قاہرہ ہے۔ اور یہ شہر نہ صرف جو[ہر کا]
بسایا ہوا ہے، بلکہ اس کی تعمیر، اس کا نقشہ، اس کی عمارتیں، اس کی شان
شوکت اُس کی رعنائی و زیبائی، اس کا حسن و جمال تمام تر جوہر ہی کا پیدا کیا ہوا
اس شہر میں جوہر کا آقا عبداللہ جب آیا تھا اور جوہر نے جس شان و اہتمام سے
اس کا استقبال کیا، وہ تاریخ کا زرّیں واقعہ ہے، جسے اب تک اُس نے اپنے سی[نے]
میں محفوظ رکھا ہے۔

پھر قاہرہ کی تعمیر اور آبادی کے علاوہ مصر کی سب سے بڑی اور قابلِ فخر ا[ور]
مایہ ناز درس گاہ، جامع ازہر، جوہر کی تعمیر کردہ تھی، یہ درس گاہ تعمیر ہوتے ہی
عالمِ اسلام کی سب سے بڑی درس گاہ بن گئی، اور آج تک اُسے یہ خصوصیت
حاصل ہے کہ اب بھی عالمِ اسلام میں اس سے بڑی اور ہمہ گیر درس گاہ کہیں نہیں
ہے۔ شاید یہ جوہر کے حسنِ نیت ہی کا پھل ہے فرق جو کچھ ہے، وہ یہ کہ پہلے
یہ درس گاہ صرف ایک فرقہ کے لئے مخصوص تھی، اور اب ملّتِ اسلامیہ کے ہر

کے لئے اس کے دروازے کھلے ہوتے ہیں۔

جوہر کی صفات اور خصوصیات ذرا عجیب سے تھیں، اس میں جہاں بہت سی خوبیاں تھیں، وہاں کچھ کمزوریاں بھی تھیں، سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ حصول مقصد کے لئے، طاقت اور سیاست، یعنی فوج اور فراست دونوں سے کام لینے میں تامل نہیں کرتا تھا، جہاں قوت کی ضرورت محسوس کرتا بے دریغ فوجی کارروائی میں منہمک ہوجاتا، جہاں اس طرح دال گلتی نہ نظر آتی، وہاں وہ دوسرے سیاسی اور ذہنی ذرائع بھی بے تکلف اور بے تامل استعمال کرتا تھا، اور جب تک حصول مقصد میں کامیاب نہ ہوجاتا تھا، اس وقت تک دم نہیں لیتا تھا۔

مصر پر فاطمی حکومت جب قائم ہوئی تو اس کا سیاسی مرکز اور محور بھی بدل گیا۔ اب تک مصر کی حیثیت یہ تھی کہ وہ دولت عباسیہ بغداد کا تابع تھا، یہ محکومی دو طرح کی تھی، جب خلافت عباسیہ، طاقت ور، اور نافذ الامر تھی، جب تو اس کی حیثیت صرف محکوم کی سی تھی، پھر جب دولت عباسیہ پر زوال آیا اور مصر، باری باری متعدد خود مختار خاندانوں کی تحویل میں آیا تو بھی اگرچہ عباسی حکومت سے اس کی محکومیت کی نسبت قائم رہی، یہ خاندان مصر کے آزاد فرماں روا تھے مصر حکومت عباسیہ کے ماتحت اور باج گذار تھا، اور بغداد کی دولت عباسیہ، مصر کے فرماں روا خاندان کی دست نگر، اور عملی طور پر، محکوم تھی، غرض ایک عجیب قسم کی دو عملی حکومت تھی، بغداد اور مصر کا باہمی تعلق، معاصر اور حریف کا سا بھی تھا اور حاکم و محکوم کا سا بھی، جس کے پاس جتنی قوت ہو، اس کے مطابق یہ حالات بدلتے رہتے تھے۔

لیکن اب صورت حال قطعاً بدل چکی تھی، اب مصر میں، ایک نئی خلافت۔

فاطمی ۔ قائم ہو گئی تھی ۔ گویا اب مرکزِ خلافت بغداد نہ تھا، خود مصر تھا، مصر اور بغداد میں جو دیرینہ سیاسی تعلق قائم تھا ۔ وہ مرورِ ایام سے کمزور پڑتا جاتا تھا، کبھی مضبوط صورت اختیار کر لیتا تھا ۔ وہ بھی اب بالکل ختم ہو چکا تھا، مصر کی حکومت اب برائے نام بھی کسی کی ماتحت نہ تھی، نہ کسی کی بالادستی قبول کرنے پر آمادہ تھی، وہ خود مختار تھی، اور اس کے بلند حوصلے کہہ رہے تھے آگے چل کر وہ زمانہ بھی آئے گا، جب اس کی بالادستی دوسروں پر قائم ہو گی، دوسرے اس کی محکومیت، اور تابعیت پر مجبور ہوں گے ۔!

جس دور کی ہم کہانی بیان کر رہے ہیں یہ عالمِ اسلام کے لئے ایک خلجان اور اضطرابِ فکر و خیال کا دور تھا، اندلس میں اموی خلافت قائم تھی، جہاں کے فرمانبروا اپنے آپ کو خلیفہ سمجھتے تھے اور کم از کم حدود اندلس میں ان کی خلافت کا خطبہ بھی مساجد کے اندر پڑھا جاتا تھا بغداد میں عباسی خلافت اب تک قائم تھی اگرچہ دنیاوی اور سیاسی اعتبار کر یہ بیحد کمزور ہو چکی تھی پھر اسکی مذہبی سیادت نے اسکے گھٹتے ہوئے وجود کو سہارا دے رکھا تھا اور وہ کسی نہ کسی طرح ابتک قائم تھی تیسری خلافت مصر میں قائم ہو گئی تھی یہ فاطمی خلافت تھی ان تینوں میں باہمی طور پر سخت آویزش تھی خلافت اموی یہ اندلس بوجہ الگ تھلگ تھی اور خود اپنے مسائل میں الجھی ہوئی تھی اسلئے اسکی آویزش اور مخالفت زیادہ تر زبانی اور ذہنی تھی خلافت عباسیہ کیلئے مصر کی فاطمی خلافت ناقابلِ برداشت حریف کی حیثیت رکھتی تھی، اس لئے اس کی دشمنی بھی زیادہ شدید تھی، اور وجوہ عداوت بھی زیادہ نمایاں تھے، درحقیقت ان تینوں خلافتوں اور حکومتوں کے درمیان، اختلاف جو کچھ تھا، وہ تمام تر سیاسی تھا، لیکن اسے مذہبی رنگ دے دیا گیا، اس لئے کہ جب تک سیاست میں مذہب کی آمیزش نہ ہو، اس وقت تک حسبِ دلخواہ مقصد کا حاصل کرنا آسان نہیں ہوتا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں امویوں کی سیاست، عباسیوں سے مغلوب ہوئی، اور

عباسی سیاست کو امویوں نے اندلس میں شکست دی اور اب مصر میں عباسی اور اموی، دونوں کو سیاسی شکست حاصل ہو رہی تھی۔

عالم اسلام میں فاطمیوں سے پہلے صرف ایک ہی شیعی حکومت تھی، وہ تھی، آل بویہ کی، یہ حکومت، فارس اور عراق میں قائم تھی، لیکن بویہی خاندان کے شیعہ حکمران عباسیوں کی سیاسی سیادت کو تسلیم کرتے تھے، نہ وہ اس کے مدعی تھے کہ قریشی النسل ہیں، نہ خلافت کا دعویٰ انھوں نے کیا تھا، وہ آزاد اور خود مختار تھے، اور اپنی آزادی خود مختاری کے قیام کے ساتھ، وہ عباسی حکومت کی سیاسی بالادستی کو تسلیم کر لینے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے، لیکن مصر کی فاطمی حکومت کا معاملہ بالکل دوسرا تھا، یہ خاندان، اپنی قریشیت پر بھی نازاں تھا اور اپنی خلافت کا بھی مدعی تھا، گویا عالم اسلام میں یہ پہلی شیعی حکومت تھی، جو ایک مدت سے جمی ہوتی سنی سلطنت کے مقابلہ میں حریف بن کر نمودار ہوئی تھی، آل بویہ، عقیدہ کے اعتبار سے یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ عباسیوں کی خلافت ناجائز ہے، غلط ہے، لیکن اس کے باوجود عباسیوں کی سیاسی سیادت تسلیم کرنے میں انھوں نے تامل نہیں کیا، لیکن مصر کی فاطمی حکومت خود اپنی خلافت قائم کر چکی تھی، لہٰذا اس کے سامنے عباسی حکومت کے تسلیم کر لینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، یہ سوال ہر اعتبار سے بالکل خارج از بحث تھا۔

فاطمی خلافت کے قیام کے بعد، دولت بویہ کے بادشاہ، معز الدولہ سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ فاطمی خلافت تسلیم کرے، اور عباسی خلافت سے قطع تعلق کرے، بادشاہ نے اس مسئلہ کو غور اور فیصلہ کے لئے اپنے معتمدوں کے سامنے پیش کیا، ایک معتمد نے بڑی چبھتی ہوئی بات کہی، اُس نے کہا:

آپ کی رعایا کا ہر فرد اس حقیقت سے واقف ہے کہ آپ نے عباسی خلافت کی بالادستی مذہبی حیثیت سے نہیں قبول کی ہے صرف سیاسی حیثیت سے قبول کی ہے آج اگر کوئی وقت پڑے اور آپ خلافت عباسیہ کے خلاف کمر کس کر میدان جنگ میں نمودار ہوں، تو لوگ آپ کا ساتھ دیں گے یا اگر آپ اپنی رعایا میں سے کسی فرد کو یہ حکم دیں، کہ وہ بغداد جائے، اور عباسی خلیفہ کا سر کاٹ لائے، تو خواہ وہ کامیاب ہو یا ناکام، لیکن اپنی جان کی بازی لگا کر، وہ تعمیل حکم کی کوشش کرے گا، اور اس میں کسی طرح کے لیت و لعل سے کام نہیں لے گا، لیکن اگر آپ نے فاطمی خلافت کی مذہبی سیادت قبول کر لی، اور پھر کبھی آپ کے اور خلیفہ کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا تو جانتے ہیں آپ اس کا انجام کیا ہوگا؟

معزالدولہ نے کوئی جواب نہیں دیا، مستفسرانہ نگاہوں سے اپنے معتمد کی طرف دیکھنے لگا، اس نے اپنے بادشاہ کا مطلب سمجھ کر کہا۔

نتیجہ یہ ہوگا کہ جس شخص کو آپ فاطمی خلیفہ کے قتل پر مامور کریں گے، وہ اُسے تو قتل نہیں کرے گا، ہاں آپ کو ضرور ہلاک کر دے گا!

یہ بات معزالدولہ کے دل میں بیٹھ گئی، اور اُس نے خلافت فاطمی کی مذہبی سیادت تسلیم کرنے کا ارادہ قطعیت کے ساتھ ترک کر دیا۔

مصر کی فاطمی خلافت کے لئے دو مسئلے بڑے پیچیدہ تھے۔

ایک تو یہ کہ خود مصر کے سنّی اب تک بغداد کی خلافت عباسیہ کی اطاعت و انقیاد کا دم بھر رہے تھے، وہ اس کے لئے آمادہ نہ تھے کہ اُس سے رشتۂ عقیدت منقطع کر کے، مصر کے نئے خلیفہ کو اپنا روحانی رہنما تسلیم کر لیں، لیکن یہ مسئلہ بہت زیادہ اہم نہیں تھا، اسے بہرحال کسی نہ کسی طرح حل کیا جا سکتا تھا، اور بغیر کسی خاص چپقلش کے دبایا جا سکتا تھا

اسے اہمیت ضرور حاصل تھی لیکن غیر معمولی طور پر نہیں۔

البتہ دوسرا مسئلہ بہت زیادہ اہم اور نازک تھا، ایک خاص بڑی جماعت اس بات کی منکر تھی کہ خلافت فاطمی قائم کرنے والے واقعی آلِ رسولؐ اور قرشی النسب ہیں، اور جب تک یہ بات پایۂ تحقیق کو نہ پہنچ جاتی، وہ کسی طرح اس کے لئے تیار نہ تھے کہ اپنے روحانی مرکز کو بدل دیں۔ یہ اعتراض زیادہ تر شیعوں کی طرف سے کیا جاتا تھا، لیکن اس میں کچھ سنّی بھی شریک تھے۔ شروع میں تو فاطمیوں نے اس طرف زیادہ توجہ نہ کی، لیکن اس اعتراض نے جب زیادہ شدّت اختیار کر لی تو اسے قابلِ غور تسلیم کرنا پڑا۔ چنانچہ روایت[1] ہے کہ ایک مرتبہ، فاطمی خلیفہ، المعز الدین اللہ سے شرف نیاز حاصل کرنے کے لئے، جوہر نے مصر کے اکابر کو مدعو کیا، جب دربار شروع ہوا تو اس منتخب مجمع میں، ایک شخص جس کا نام طباطبا تھا۔ کھڑا ہوا، اور اس نے خلیفہ کے روبرو جا کر کہا:۔

"مولانا الامیر کا سلسلۂ نسب کیا ہے؟ — کیا ہم خادموں اور عقیدت مندوں کو یہ معلوم ہو سکتا ہے؟"

یہ سن کر پہلے تو المعز کی تیوریاں چڑھ گئیں، پھر وہ مسکرانے لگا، اور اُس نے رفق و ملائمت کے ساتھ جواب دیا۔

"تم ہمارا نسب معلوم کرنا چاہتے ہو، اور ہمیں معلوم ہے اور بھی لوگوں کے دلوں میں یہ سوال گردش کر رہا ہے، ہم اپنا نسب ضرور بیان کریں گے، لیکن اس موقعہ پر نہیں، بہت جلد، ایک اور دربار ہم منعقد کریں گے اور اس

---

[1] ابن اثیر ج ص۱۱۱

کہ خلیفہ کا سلسلہ نسب کیا ہے؟

خلیفہ المعتز کے سامنے، تلوار رکھی تھی، اُس نے تلوار میان سے نکال لی اور کہا۔

"یہ ہے میرا نسب!"

پھر اُس نے سیم وزر کے سکے، حاضرین پر، بارش کے قطروں کی طرح برسانا شروع کئے، اور کہا

"یہ ہے میرا حسب!"

حاضرین نے متفقہ طور پر بآواز بلند کہا۔

"سمعنا و اطعنا!" ہم نے سُنا اور اطاعت کی!

خلیفہ نے، یہ نعرہ سُن کر محل کا رخ کیا، اور حاضرین رفتہ رفتہ منتشر ہو گئے اور داخلی طور پر امن و امان کی ضمانت مل گئی۔!

مذکورہ روایت صحیح ہو، یا غلط، لیکن یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جو ہر کا عمل اسی اصول پر تھا، وہ درویش، اور سختی، شدت، دونوں چیزوں پر عمل کرتا تھا، جیسا موقع ہو، جیسی مصلحت ہو، اس کی حکومت کی پائندگی اور استحکام کا راز یہی تھا کہ، سختی کے موقعہ پر، وہ ذرا بھی نرمی کا مظاہرہ نہیں کرتا تھا اور نرمی کے موقع پر ابر باراں کی طرح سیم وزر کی بارش شروع کر دیتا تھا لوگ اُس سے ڈرتے تھے، اور اس کی سخاوت اور دریا دلی سے آرزومند اور متوقع بھی رہتے تھے۔

میں اپنے سلسلۂ نسب کا انکشاف کردیں گے!

چنانچہ حسبِ وعدہ المعز نے چند ہی روز بعد قصرِ شاہی میں ایک پُر شکوہ دربار منعقد کیا۔

جب سب لوگ مجتمع ہو گئے۔ تو شاہانہ تزک و احتشام، اور جاہ و جلال کے ساتھ المعز نمودار ہوا، حاضرین سرو قد تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے، اس نے مسندِ شاہی پر بیٹھنے کے بعد حاضرین پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور پھر دریافت کیا۔

کیا مصر کے تمام عمائد، اور سربرآوردہ اصحاب آ گئے؟ —— کوئی باقی تو نہیں رہا؟

جوہر نے مؤدب ہو کر دست بستہ جواب دیا۔

"امیر المومنین، جتنے لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ وہ سب حاضر ہو چکے ہیں، کوئی بھی باقی نہیں ہے:

المعز نے پوچھا۔

"اور وہ طبا طبا کہاں ہے؟ —— جس نے اُس دن ہمارا سلسلۂ نسب دریافت کیا تھا؟

طباطبا بھی موجود تھا، وہ مرعوب و دہشت آیا، اور خاموش و مضطرب حالت میں خلیفہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

المعز نے اس طرف اور پھر دوسرے حاضرین کی طرف دیکھ کر بآواز بلند کہا۔

"آج ہم اپنا سلسلۂ نسب آپ حضرات پر منکشف کرنا چاہتے ہیں؟"

یہ سنتے ہی تمام حاضرین ہمہ تن گوش ہو گئے، سب کو اشتیاق تھا

نورالدین زنگی

دو سو سال سے کچھ زیادہ مدت تک مصر پر فاطمی حکومت کا پرچم لہراتا رہا، اس مدت میں گیارہ فرماں روا تخت خلافت و حکومت پر متمکن ہوئے، (۱) پہلے خلیفہ کا نام المعزالدین اللہ تھا، اور آخری خلیفہ، العاضدالدین اللہ تھا، اس مدت میں، سلطنت فاطمی تین ادوار سے گذری، پہلا دور مشتمل تھا، عرب اور بربر عناصر پر، جوہر کی قیادت میں مصر کو فتح کرنے والے یہی لوگ تھے، حکومت کی باگ صرف ان ہی دوگروہوں کے ہاتھ میں تھی، اقتدار اعلیٰ کے مرکز یہ تھے، اور مصر کا سیاہ سفید ان ہی کے ہاتھ میں تھا، دوسرا دور بربر پر مشتمل تھا۔ اس دور میں عنان اقتدار ہمیں بربروں کے ہاتھوں میں نظر آتی ہے، وہی مالک الرقاب بنے ہوئے ہیں، ان ہی کو نفاذ امر کا اختیار حاصل ہے، اور وہی جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، تیسرا دور جسے آخری دور بھی کہنا چاہیے، ترکوں کا تھا، اس دور میں اقتدار و اختیار کے مالک ترک ہی ترک نظر آتے ہیں۔

(۱) ایک عجیب اتفاق یہ ہے کہ تقریباً ان ہی ادوار سے عباسی حکومت کو بھی گذرنا پڑا تھا، پہلے اس حکومت کا اقتدار تمام تر عربوں کے ہاتھ میں تھا،

---

(۱) یعنی ۳۵۸ھ سے ۵۶۷ھ تک۔

پھر فارسیوں کے ہاتھ میں منتقل ہوا، اور وہ مرکز اقتدار بن گئے۔ انھیں جب زوال آیا، تو ترک، اُس طنطنہ اور دبدبہ کے ساتھ قابض و متصرف ہوئے کہ عباسی خلافت ان کے ہاتھ میں کٹ پتلی بن گئی۔ جو چاہتے تھے۔ وہ کرتے تھے، حتیٰ کہ خلیفہ کے تقرر و تنزل، اور معزولی میں بھی ان ہی کی رائے آخری اور فیصلہ کُن مانی جاتی تھی، تخت خلافت پر وہی متمکن ہوتا تھا، جسے وہ چاہیں، اور اسے مسند حکومت سے اُتر آنا پڑتا تھا جس سے وہ خفا ہوں، عوام اُن سے دبتے تھے، خواص ان کی شہریاری تسلیم کرتے تھے، اور خود خلافت میں ان ہی کا حکم مانا جاتا تھا۔

ترکوں کے اقتدار کی داستان ہر ملک میں غلامی، محکومی، اور بیچارگی سے شروع ہوتی ہے، اور پھر حکومت فرماں روائی، اور اقتدار شہریاری پر ختم ہوجاتی ہے، بغداد میں بھی یہی ہوا تھا، اور مصر میں بھی یہی ہوا، اور پھر ترک اتنے بڑھے اتنے پھیلے، اور اتنے اثر و اقتدار کے مالک ہوئے کہ ہر طاقت ان کے سامنے ہیچ اور فرومایہ تھی، ترکوں کی کثرت کا سبب یہ ہوا کہ خلیفۃ الحاکم بامر اللہ کا جب انتقال ہوا، تو مسند خلافت ترکہ اور ورثہ کے طور پر اس کے بیٹے الظاہر کے ہاتھ میں آئی۔ یہ اپنے اعمال و کردار کے لحاظ سے ہرگز اس منصب بلند کا مستحق نہیں تھا، سارا وقت، رنگ رلیوں میں صرف کرتا تھا نظم مملکت امور حکومت، اور فلاح عوام سے اُسے کوئی سروکار نہ تھا، یہ تھا اور لہو و لعب کی اُمنگیں اور ترنگیں، ترکوں، اور مشرقی لوگوں کی طرف اس کا رجحان طبع زیادہ تھا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بربریوں کا اثر و اقتدار رفتہ رفتہ کم ہونے لگا، ان کی ساکھ اور دھاک گھٹنے لگی، ان کی عظمت و شوکت میں فرق آگیا، بادشاہ کی نظر پھری، تو مملوک کی نظروں سے بھی وہ اتر گئے، اور بہت مختصر مدت میں

بربریوں کا اقتدار یک سر ختم ہوگیا۔ بعد میں جب ملک المستنصر ۴۲۷ھ
الظاہر کے بعد خلیفہ بنایا گیا، تو اس نے رہی سہی کسر پوری کردی، اس
قدر بھی حبشیوں اور ترکوں کو وہ عروج و اقتدار حاصل ہوا، جس کی انتہا نہیں
حکومت کے تمام شعبوں پر یہ لوگ چھا گئے، اور بربروں سے اقتدار چھینا
اس کے وارث، اور مالک یہ بن گئے، جو عزت پہلے صرف بربروں کے
مخصوص تھی، وہ اب پہلے سے زیادہ عظمت اور سربلندی کے ساتھ حبشیوں
اور ترکوں کو حاصل ہوگئی، اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ المستنصر کی ماں حبشی
تھی، اس نے حبشی غلاموں کو بہت بڑی تعداد میں ملازم رکھا، یہاں تک
کہ ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوگئی، چونکہ اقتدار اور عظمت میں ترک
اور حبشی دونوں شریک تھے، لہٰذا بہت جلد ان میں رقابت اور چشمک
پیدا ہوگئی ہر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنے لگا، اس
نتیجہ ملک کے امن و امان کی بہت بُری صورت ہو خانہ جنگی کی صورت
ظاہر ہوا، چونکہ خلیفہ اپنی طاقت ان ہی لڑنے والے گروہوں کی طرف
کرچکا تھا، لہٰذا وہ کچھ نہ کرسکا، ایک بے بس، خاموش، اور غیر جانب
کی طرح اس آگ کو بھڑکتے دیکھتا رہا، جلتا رہا، کڑھتا رہا، کفِ افسوس
اس سے زیادہ اس کے بس میں کچھ نہ تھا۔ آخر جب حالات بہت زیادہ
ہوگئے، اور ان کے روبراہ ہونے کی کوئی صورت نہ نظر آئی تو اس نے حاکم
کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا، اور اس سے متمنی ہوا کہ اس نازک
میں اس کی مدد کرے، اور مصر کو تباہی سے بچالے۔

شام سے ایک فوجی مہم مدد کے لئے پہنچی۔ اس مہم کا سردار بدر جمالی
یہ ایک ارمنی نسل کا نوجوان تھا بہادر، دلیر، معاملہ فہم، زیرک، اور سیاست

تھا۔ آتے ہی کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے، اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حکومت کے جتنے عہدے دار، فتنہ و فساد اور اختلال و اقتدار کی سرگرمیوں میں مبتلا تھے، ان سب کو، بغیر کسی رعایت اور مروّت کے موت کے گھاٹ اتار دیا، پھر اس نے ایک زبردست لشکر ترتیب دیا، اس لشکر کے اہم ترین عناصر، ترک، اور ارمنی تھے، اس طرح حبشیوں کے اقتدار کا خاتمہ تو ہوگیا، لیکن ترکوں کے اقتدار میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوگیا، پہلے ان کے شریک اقتدار حبشی تھے اور اب حرف غلط کی طرح قلم زد ہو چکے تھے، البتہ ایک نئی قوت ـــ ارمن ـ ضرور ابھر رہی تھی، لیکن فی الحال اس سے کوئی اندیشہ نہ تھا، بلکہ رفاقت اور مودت کی بنا پر امید تھی۔ کہ اس سے معاملات تلخ اور ناگوار صورت نہیں اختیار کرنے پائیں گے بلکہ اشتراک و تعاون کی روح کارفرما رہے گی، اب صورت حال یہ تھی کہ مصر میں جو بربر اور حبشی تھے وہ اپنے گزشتہ دور جبروت و جلال کو فراموش کر دینے پر مجبور اور ایک عام شہری کی طرح کس مپرسی کی زندگی بسر کر رہے تھے

اسی زمانہ میں ایک اور انقلاب انگیز واقعہ پیش آیا جس نے سیاست کی دنیا میں ہل چل سی پیدا کر دی۔

سلجوقی کچھ عرصہ سے ابھر رہے تھے، اب انھوں نے اتنی طاقت حاصل کر لی کہ دولت بویہ کا خاتمہ کر دیا، اور عراق و فارس پر قبضہ کر کے اپنی خود مختار بادشاہت کا آغاز کر دیا، سلجوقیوں نے اس ملک پر اپنے غلاموں ـــ تابکوں ـــ کو مقرر کیا۔ اور اقتدار کی باگ ان ہی کے ہاتھ میں دے دی، کئی صوبے بنائے اور ہر صوبے کو ایک مستقل علاقہ قرار دے کر الگ الگ گورنر مقرر کئے جنہیں انتظام و انصرام کا ذمہ دار اور نگہبان قرار دیا

شام کی گورنری سلجوقیوں کے جس غلام کے حصہ میں آئی وہ تھا، نورالدین اتابک ز
نورالدین زنگی خود بھی بڑا جیالا اور بہادر تھا، اور اپنے لشکر میں اُس نے چ
چھانٹ کر ـــ دلیروں اور دل آوروں کو رکھا تھا، نورالدین کے بہادر اور یگانہ
میں کردوں کی بھی ایک جماعت تھی، ان کُردافسروں میں "دو بہت مشہور و ممتاز

(۱) نجم الدین ایوب (۲) اسدالدین شیرکوہ

یہ دونوں بھائی بھائی تھے، بڑے بہادر، جیالے، اور صاحب کردار نورال
ان دونوں کے صفاتِ حسنہ سے بہت متاثر تھا۔ اپنے افسروں میں جتنا ان دونوں
وہ احترام کرتا تھا کسی کا نہیں کرتا تھا جتنا ان دونوں کا مان رکھتا تھا کسی کا نہیں رکھتا تھا اور ا
یہ کیفیت تھی کہ زنگی کے نام پر جان قربان کرنے کو ہمہ وقت تیار رہتے تھے اس
قربان ہو جانا اپنے لئے فخر و سعادت کا سبب سمجھتے تھے۔

اب ہم ۵۵۶ھ کے دور سے گزر رہے ہیں یہ وہ زمانہ ہے جب خلاف
فاطمی کی مسند پر، العاضد الدین اللہ متمکن تھا۔ یہ خلیفہ، ہر اعتبار سے اس منصب
نااہل تھا۔ بزدل، نکما، بے ہمت، کم حوصلہ، کوئی کمزوری اور برائی ایسی نہ تھی، جو اس میں ب
اتم موجود نہ ہو ملک پر حکومت اس کی نہ تھی۔ وزراء کی حکومت تھی یہ وزراء آپس میں
تھے، جھگڑتے تھے، خانہ جنگی کرتے تھے لیکن عاضد، کچھ نہ کر سکتا تھا، کچھ کرنا چا
بھی نہیں تھا، بڑے بڑے با مروت اور باعظمت خاندانوں کا زوال جب ہوا ہے تو ا
ہی نااہل حاکموں اور جانشینوں کے ہاتھوں، ان میں، اپنے اسلاف کے خصوصیات
مفقود ہو چکے تھے اور صفاتِ بد اس کثرت سے پیدا ہو جاتے تھے کہ خاندان تو خاند
اپنے ذاتی وقار کی اپنے ناموس، حتیٰ کہ زندگی تک حفاظت نہیں کر پاتے تھے، عاضد

طرح کے لوگوں میں تھا۔ وہ اپنے وزراء سے اقتدار حکومت واپس نہ لے سکا وہ ان کی جنگ زرگری نہ بند کرا سکا وہ ان کی خانہ جنگیوں کا سدِباب نہ کر سکا۔ حد یہ ہے کہ وہ مصر کو تباہی اور ہلاکت سے نہ بچا سکا، سارا ملک تباہ ہو گیا، اور وہ بھی خاموشی کے ساتھ تماشا دیکھنے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔

جن وزیروں کے ہاتھوں، مصر تباہ ہوا تھا ان میں ایک وزیر شاور بھی تھا، یہ اپنے حریف کے سامنے نہ ٹھہر سکا، بڑے جتن کئے کہ کسی طرح اختیار و اقتدار کی باگ ہاتھ سے نہ نکلنے پائے، لیکن کوئی تدبیر کامیاب نہ ہوئی، بلکہ ہر تدبیر الٹی پڑی، پھر اس نے وہ کیا جو ہر غدار ہمیشہ سے کرتا آیا ہے۔ یعنی اپنی ذات کو فائدہ پہنچانے کے لئے ملک کے مفادِ عمومی کے ساتھ غداری اور فریب کاری، وہ مصر سے اٹھا اور سیدھا شام پہنچا، نور الدین زنگی کے بارے میں سن چکا تھا کہ وہ مصر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اس کی سلطنت کا استحکام اس پر منحصر ہے کہ وہ مصر کو اپنی تحویل میں رکھے، نور الدین کا شرف باریابی حاصل کرنے میں شاور کو دیر نہیں لگی، وہ اس کے حضور میں حاضر ہوا۔ نور الدین نے بڑے اخلاق اور تپاک کے ساتھ ملاقات کی اور اس کی پذیرائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا نور الدین نے اس سے سوال کیا۔

نور الدین زنگی :۔

کہو مصر کا کیا حال ہے؟ اسے کس حال میں چھوڑ کر تم یہاں آئے ہو؟ ہم نے سُنا ہے، وہاں خانہ جنگیاں برپا ہیں، حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں، ذاتی رعایت اور چشمک ملک کے مفادِ عمومی کو مجروح کر رہی ہے، لوگ ملک کی صلاح و فلاح کے بارے میں نہیں سوچتے، اپنے بارے میں سوچتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ امن و اماں درہم برہم

ہے۔کیا یہ سچ ہے ؟۔ کیا ہماری اطلاعات صحیح ہیں ؟

شاور :۔ یا امیر آپ کی اطلاعات بالکل صحیح ہیں۔ بالکل یہی حالت ہو رہی ہے مصر کی، بلکہ اس سے زیادہ بدتر اور زار و زبوں !

نورالدین زنگی :۔

ہمیں مصر سے ہمدردی ہے اس لئے بھی کہ وہ ایک اسلامی ملک ہے اس کا دکھ ہمارا دکھ ہے، اس کا سکھ ہمارا سکھ ہے اور اس لئے بھی کہ مصر کے اثرات، بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر، ہماری مملکت پر بھی پڑ سکتے ہیں۔

شاور :۔ بجا ارشاد ہوا یا امیر !

نورالدین زنگی :۔ اگر مصر کمزور رہے، تو ہم لاکھ مضبوط و توانا ہوں، لیکن نہیں اُس کی کمزوری ہم پر اثر انداز نہ ہو، ہمیں بھی کمزور نہ بنا دے

شاور :۔ درست بالکل صحیح ؛

نورالدین زنگی :۔ اسی طرح اگر مصر مضبوط اور طاقتور ہے تو اس سے ہمیں ضرور پہنچے گا۔ ضرور ہمارے استحکام پر اچھا اور خوشگوار اثر پڑے گا۔

شاور :۔ بالکل صحیح ارشاد فرمایا آپ نے، یہ دونوں باتیں اپنی جگہ پر مناسب اور معقول ہیں لیکن اگر مصر کے یہی لیل و نہار رہے تو پھر ہمیں فاتحہ پڑھ لینا چاہیئے اور سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ختم ہو گیا، مٹ گیا، !

نورالدین زنگی :۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، جب تک ہم زندہ ہیں، ہمارے دل و بازو میں قوت، ہم میں کس بل ہے، مصر تباہ نہیں ہو سکتا اسے برباد نہیں ہونے دیا جائے گا۔ کسی میں یہ طاقت اور حوصلہ نہیں کہ اُسے مٹا دے، ہم ہر قیمت پر اس افراتفری

تباہ حالی سے اُسے بچائیں گے، اُسے زندہ رکھیں گے، اسے مضبوط و مستحکم بنائیں گے کیا تم ہمارا ساتھ دو گے —— ؟

شاور:۔ اس خادم اور نیاز مند اور عقیدت گزار کے یہاں حاضر ہونے کا مقصد ہی اس کے سوا کیا ہے؟ میں دل و جان سے ہر خدمت بجالانے پر ہمہ وقت تیار، اور مستعد ہوں صرف امیر کی ہدایت اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میرے پشت پناہی آپ کے دربار سے ہوگی، تو مجھے یقین ہے آج اور ابھی حالات سدھر سکتے ہیں، اصلاح ہو سکتی ہے ان کی!

نورالدین زنگی:۔ ایسا ہی ہوگا —— لیکن تم کیا چاہتے ہو؟

شاور:۔ امیر ایک فوجی مہم میرے ساتھ روانہ کر دیں، پھر میں تمام حالات سے اچھی طرح نبٹ لوں گا۔

نورالدین زنگی:۔ (کچھ سوچتے ہوئے)، نہیں یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا، ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ جو مہم مصر پر روانہ کریں وہ براہ راست ہمارے سامنے جواب دہ ہو، ہمارے احکام کی متابعت کرے اور تم اس کا ساتھ دو، کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟ —تمہیں اعتراض تو نہیں ہے اس تجویز پر؟ خوب غور کر لو، حالات کو سدھارنے کی یہی واحد تدبیر ہے اگر اس پر عمل نہ ہوا تو پھر حالات بالکل قابو سے باہر ہو جائیں گے، اور پھر شاید ہمارا طرز عمل بھی بدل جائے گا۔

ان الفاظ میں اشتراک و تعاون کی دعوت بھی تھی۔ آئندہ کے عزائم کا اعلان بھی تھا اور کسی حد تک دھمکی بھی تھی، شاور نے ان تمام معروضات کو اچھی طرح سمجھ لیا، لیکن اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ نورالدین زنگی کی تجاویز پر صاد کرے اور

سر تسلیم خم کرے کیوں کہ اگر بے نیل و مرام مصر واپس جاتا تو وہاں اس کی گردن اڑا د
جاتی، کسی اور جگہ کی اقامت اختیار کر لیتا تو وہاں کی زمین اس کے لئے تنگ ہو جاتی
زنگی کی تجویز مان لینے میں ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ گو مصر کی حکومت پر زنگی کا قبضہ ہو
لیکن خود شاور بھی ذاتی طور پر نقصان میں نہ رہتا، بلکہ اقتدار و اختیار کا کچھ حصہ اسے
ضرور مل جاتا، یہ سب کچھ اُس نے اچھی طرح سوچ سمجھ کر جواب دیا۔

شاور:۔ مجھے امیر کی رائے گرامی سے پورا پورا اتفاق ہے میں ہر طرح کی خدمت
کے لئے تیار ہوں، ایک سپاہی کی حیثیت سے بھی، ایک خادم کی حیثیت بھی، ایک جاں نثا
اور فداکار کی حیثیت سے بھی۔

نورالدین زنگی:۔ (خوش ہوکر) ہم تمہارے اس جذبہ سے بہت مسرور ہوئے
اور ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ تمہارا یہ جذبۂ نیک ضائع نہ جائے گا، ضرور تمہیں اس ک
پھل ملے گا۔ اور تم اس سے متمتع ہوگے!

شاور:۔ یہ امیر کی بندہ نوازی ہے ورنہ میں تو جو کچھ کر رہا ہوں، صرف ایک
عقیدت مند اور جاں نثار کی حیثیت سے!

نورالدین:۔ بس تو پھر تم تیار ہو جاؤ ـــــ (اپنے سپہ سالار اسدالدین شیر کو
سے مخاطب ہوکر) ـــــ تم غلاموں کا ایک مضبوط لشکر تیار کرو، اور مصر پر حملہ کرنے
کے لئے جلد از جلد روانہ ہو جاؤ۔

اسدالدین نے ایک زبردست لشکر لے کر شاور کی معیت میں مصر پر دھاو
کیا اور بڑی آسانی سے مصر پر قبضہ کر لیا، شاور کا حریف، جو اس سے بہت زیا
طاقت ور تھا اور جس نے اسے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا، اب سب

سے زیادہ ہیچ اور ناکارہ تھا، وہ شاور کا مقابلہ کر سکتا تھا، لیکن ایک بہادر اور طاقت ور لشکر کا مقابلہ اس کے بس سے باہر تھا، اس نے شکست کھائی اور کچھ نہ کر سکا، اسدالدین نے اس فتح کے بعد وزارت شاور کو دے دی اور حکومت اپنے قبضہ میں رکھی، طے یہ ہوا کہ مصر کی ایک تہائی آمدنی خراج کے طور پہ نورالدین زنگی کی خدمت میں پیش کی جائے۔ شاور نے یہ شرط مان لی

یہ وہ زمانہ تھا کہ صلیبی لڑائیاں زور شور سے ہو رہی تھیں۔ نورالدین زنگی ان میں اُلجھا ہوا تھا، اس نے براہِ راست مصر کے معاملات میں دخیل ہونا مناسب نہ سمجھا، البتہ اس کی طرف سے اسدالدین شیرکوہ نیابت کے فرائض انجام دے رہا تھا، اسدالدین کے ساتھ اس کا لائق، ہونہار اور شجاع و دلیر بھتیجا یوسف بن نجم الدین بھی تھا، یہی آگے چل کر صلاح الدین ایوبی کے نام سے مشہور ہُوا، اور جس کی تلوار کی دھاک سارے یورپ پر بیٹھ گئی، صلاح الدین کی قسمت کا ستارہ یہیں مصر میں طلوع ہُوا ۵۶۴ھ میں اسدالدین کا انتقال ہو گیا، اور زمام حکومت خود بخود صلاح الدین کے ہاتھ میں آگئی، صلاح الدین کے حوصلے چچا سے کہیں زیادہ بلند تھے، وہ باقاعدہ طور پر مصر پر قابض ہو جانا چاہتا تھا، ذرا بھی لگی لپٹی بغیر — یعنی خلافت فاطمی کا خاتمہ کر کے۔

خلیفہ اور وزیر

زمانہ کے انقلابات بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں، عروج وزوال، کسی چی
کی بھی بقا نہیں، آج دولت ہے، حشمت ہے، وقار ہے، دبدبہ ہے، طنطنہ ہے،
حکومت ہے، اقتدار ہے، اختیار ہے، خلق خدا سر جھکاتی ہے، دوست ناز کرتے ہیں
دشمن دل میں کڑھتے ہیں۔ جو خیال میں دل میں آتا ہے پورا ہو جاتا ہے جو بات دل میں
گزیں ہوتی ہے، پوری ہو جاتی ہے، جو خواہش پروان چڑھتی ہے، پوری ہوتی ہے،
دوسروں کی زندگی، دوسروں کی عزت، دوسروں کی ذلت، سب کچھ بائیں ہاتھ
کا کھیل ہے، جسے چاہا مار ڈالا جس کی چاہی جائداد، املاک ضبط کر لی، جسے چاہا
جلاوطن کر دیا، جسے چاہا قید و بند کے مصائب میں مبتلا کر دیا، نہ کوئی باز پرس ک
جرات کر سکتا ہے، نہ کسی میں یارا ہے کہ زبان طعن دراز کرے —— لیکن جب اقتدا
چھن جاتا ہے، عروج ختم ہو جاتا ہے، قوت گھٹ جاتی ہے، دبدبہ اور طنطنہ جواب
دے جاتا ہے، تو عالم یہ ہوتا ہے کہ دوست کڑھتے ہیں، دشمن خوش ہوتے ہیں گھی کے
چراغ جلاتے ہیں، جن میں یہ یارا نہیں تھا کہ نگاہ سے نگاہ ملا سکیں، رو در رو بات
کر سکیں، حکم عدولی کی جرأت کر سکیں، اب وہی آنکھ چار کر کے بات کرتے ہیں حکم مانتے
نہیں، چلاتے ہیں ایک کا عروج، دوسرے کا زوال، اور ایک کا زوال دوسرے کے عروج
کا پیش خیمہ ہوتا ہے، ایک گھٹتا ہے تاکہ دوسرا بڑھے، ایک بڑھتا ہے تاکہ دوسرا گھٹے

اس دنیا میں ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے اور شاید تا قیام قیامت یہی ہوتا رہے

مصر پر فاطمی حکومت کی سیادت جب قائم ہوئی تو اس کے شکوہ و تجمل کا یہ عالم تھا کہ دنیا اس کے نام سے کانپتی تھی، معاصر ملوک و سلاطین اس سے دوستی کرنا اپنے لئے مایۂ فخر و ناز سمجھتے تھے، دور دراز ملکوں میں اُن کی ہیبت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا، صرف مصر پر ہی نہیں، دوسرے شہروں میں بھی فاطمی خلفاء کی دھاک سے سب مرعوب اور دہشت زدہ تھے۔ لیکن یہ کہانی دور عروج سے متعلق تھی

یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا۔

اب وہ عظمت و رفعت داستان پارینہ بن چکی تھی، وہ جاہ و جلال ختم ہو رہا تھا، وہ دہشت اور ہیبت جواب دے چکی تھی، اب ایک نیا خاندان اُبھر رہا تھا! —— ایوّبی خاندان، اب ایک نئی شخصیت نمودار ہو رہی تھی —— صلاح الدین ایوبی، اب قدامت موت کی گود میں ہمیشگی کی نیند سونے کی تیاریاں کر رہی تھی —— خلافت فاطمی اب ختم ہو رہی تھی۔

صلاح الدین ایوبی صرف شجاع اور دلیر نہیں تھا

سیاست داں بھی تھا، وہ جانتا تھا، قوت کس طرح حاصل کی جاتی ہے اور دوسرے کی قوت کس طرح توڑی جاتی ہے اُس نے مصر کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی حالات کا جائزہ لیا اور مستعدی کے ساتھ اپنی اسکیم کو کامیاب بنانے میں مصروف ہو رہا

صلاح الدین ایوّبی کے برسرِ اقتدار ہونے کے یہ معنی یہ تھے کہ خلیفہ عاضد کے شکوہ تر کمانی میں فرق آئے، چنانچہ یہی ہوا، صلاح کہنے کو وزیر تھا، لیکن حقیقتہً سارے اختیارات حکومت اس کے ہاتھ میں تھے، وہ سیاہ و سفید کا مالک تھا، کسی کی مجال نہیں تھی کہ اُس

کے معاملات میں دخل دے سکے، اُس کی حکم عدولی کر سکے، اُس پر کسی قسم کا اعتراض کر سکے۔ فوج اُس کے قبضہ میں تھی، اور وہ فوج کے ساتھ بے غل وغش حکمرانی کر رہا تھا۔ عاضد کو اپنی کمزوری کا احساس تھا، وہ جانتا تھا، یہ بھرم جو قائم ہے، اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ صلاح الدین کو چھیڑا نہ جائے اور صلاح الدین بھی اپنی جگہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ تسمہ اس وقت تک باقی ہے جب تک خلیفہ عاضد کی طرف سے کسی طرح کی مزاحمت نہیں ہوتی، جس روز کسی قسم کی مزاحمت ہوئی، اسی دن یہ تسمہ توڑ دیا جائے گا، خلافت کا منصب منسوخ کر دیا جائے گا، اور خلیفہ جلاوطن ہونے پر مجبور ہو جائیں گے۔ خلیفہ کو صلاح الدین کے سامنے سرنگوں دیکھا جائے گا۔ وہ عناصر بھی اب گئے جن میں کبھی کبھی بغاوت اور شورش کا جذبہ ابھرتا تھا، اور جو صلاح الدین کی بیخ کنی کی تدبیریں سوچا کرتے تھے، کھونٹے کے بل پر ہی بچھڑا کودتا ہے، ان عناصر کو اگر کسی طرح کی پشت پناہی حاصل ہوتی تو ضرور یہ شورش اور بغاوت برپا کر دیتے، لیکن جب خلیفۂ وقت نے چُپ سادھ لی، تو یہ کیا کر سکتے تھے۔ سوا اس کے پیچ وتاب کھائیں دانت پیسیں اور کچھ نہ کر سکیں۔

اس عرصہ میں ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے حالات کی رفتار کو زیادہ نمایاں کر دیا۔ ہوا یہ کہ شام سے صلاح الدین کے باپ نجم الدین بیٹے سے ملنے اور اس کی شان وشوکت، جاہ وجلال، اور عظمت وکبریائی کی داستانوں کا بچشم خود مشاہدہ کرنے کے لئے مصر آیا، ظاہر ہے مصر کی حکومت سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا، نجم الدین اگر باپ تھا، تو صلاح الدین بیٹا، اسے قصر خلافت سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہ تھا، صلاح الدین کو حق تھا کہ اپنے باپ کی عزت وتکریم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرے، حکومت مصر

یا خلیفہ کو اس استقبال میں بالواسطہ یا بلاواسطہ حصہ لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن جو کچھ ہُوا۔ وہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ خلیفہ کو صلاح الدین کی خوشنودی مزاج اس قدر عزیز تھی۔ کہ جب صلاح الدین نے اسے بتایا کہ کل اس کا باپ مصر کی سرزمین پر قدم رکھ رہا ہے تو خلیفہ عاضد نے خود بغیر کسی تحریک کے اپنے وزیر باتدبیر کو خوش کرنے کے لئے کہا ——!

" ہمیں بڑی مسرت ہے کہ تمہارے والد مصر آ رہے ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان جو ربط و تعلق پیدا ہو چکا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کا استقبال سرکاری طور پر کیا جائے۔

صلاح الدین یہ الفاظ سُن کر دل میں بہت خوش ہوا، لیکن اس نے بات کو اور پختہ کرنے کے لئے کہا۔

" اس کی کیا ضرورت ہے امیر المومنین، وہ میرے پدر عالی مقام ہیں میرا فرض ہے کہ ان کی عزت و تکریم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کروں۔ حکومت مصر کو اس سے کیا سروکار ——؟

خلیفہ نے وزیر کی بات رد کرتے ہوئے کہا۔

" نہیں یہ نہیں ہو سکتا، نجم الدین کی پیشوائی کے لئے ہم خود قصر خلافت سے باہر نکل کر شاہی فوج کے ہمراہ مصر سے باہر چلیں گے ——!"

عاضد نے یہ ایسی بات کہی تھی، جس کی باوجود اقتدار و اختیار خود صلاح الدین بھی توقع نہیں رکھتا تھا۔ وہ اپنے کانوں پر یقین نہ کر سکا، اُس نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا۔

"امیرالمومنین کو زحمت فرمانے کی کوئی ضرورت نہیں، خدامِ بارگاہ سارا انتظام کر
لیکن خلیفہ عاضد نے پہلی مرتبہ ــــ ضد اور اصرار سے کام لیتے ہوئے کہا۔
"تمھیں ہمارا حکم ماننا پڑے گا!ــــ"
صلاح الدین کے لئے خلیفہ کا حکم کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا، لیکن یہ حکم ایسا
جس کی تعمیل پر وہ اپنے تئیں مجبور پاتا تھا۔

دوسرے روز بڑی دھوم دھام سے شاہی جلوس نکلا، بہت دنوں سے خلیفہ نے قصرِ خلافت سے باہر قدم نہیں نکالا تھا، یہ پہلا موقعہ تھا کہ خلیفہ قصر سے باہر نکل کر ایک غیر ملکی شخص کے استقبال و پیشوائی کے لئے جلوس کے ساتھ باہر جا رہا تھا، جہاں بہت سے لوگوں کو اس کی خوشی تھی کہ وہ خلیفہ کا دیدار کریں گے۔ وہاں بہت سے لوگ اس بات پر کڑھ بھی رہے تھے کہ خلیفہ اپنے محل سے باہر نکلا تو اس طرح، کاش وہ محل ہی میں رہتا، باہر نکلنے کی زحمت گوارا نہ کرتا

آج کا شاہانہ جلوس ہر اعتبار سے یگانہ اور یادگار تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے نجم الدین نہیں، ہفت اقلیم کا بادشاہ آ رہا ہے جس کی پیشوائی کے اہتمام میں شاہ وگدا، وزیر و حاجب سب شریک تھے۔

نجم الدین نے بیٹے کے کروفر کی جو داستانیں سنی تھیں، مشاہدہ کے بعد معلوم ہوا، ان میں مبالغہ نہیں تھا، بلکہ انہیں کم کر کے بیان کیا گیا تھا۔ خلیفہ کو اپنی پیشوائی کے لئے آتا دیکھ کر وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا۔ بیتابی کے ساتھ گھوڑے سے اُترا، اور پا پیادہ خلیفہ کی طرف لپکا، اُس نے خلیفہ کی رکاب کو بوسہ دیا، ہاتھ چومے اور ادب

سے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

خلیفہ بدستور اپنے گھوڑے پر بیٹھا رہا، اُس نے خندہ جبینی کے ساتھ نجم الدین کا استقبال کیا، مسکرا مسکرا کر اُس سے باتیں کیں اور اُسے اپنا مہمان خاص بنا کر ہمراہ لے آیا، یہ اتنی بڑی عزت افزائی تھی کہ نجم الدین، اور صلاح الدین دونوں فرطِ مسرت سے جھوم اُٹھے۔

—— ایک معمولی سپاہی، ایک غلام، اور غلام زادہ، آج اس اعزاز کا حامل تھا جس کے لئے لوگ ماہئ بے آب کی طرح تڑپتے ہیں، مگر نہیں حاصل کر پاتے! ——————

—— یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ نجم الدین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے

—— اشک مسرت ——————

خلیفہ کا دربار

نجم الدین کی پیشوائی کے بعد حسب جاہ و تجمل اور تزک و احتشام سے خلیفہ کی ر آئی تھی، اسی جاہ و تجمل اور تزک و احتشام کے ساتھ واپس گئی، راستہ میں نجم الدین اپنے سے سرگرم گفتگو رہا، لیکن یہ گفتگو کسی کی سمجھ میں نہ آئی، بات چیت کردی زبان میں ہو اور مصر کے لوگ کردی زبان سے بالکل نا آشنا تھے یہی وجہ تھی کہ پورے اطمینان کے حاکم شام نورالدین زنگی اور خلیفۂ مصر عاضد کے بارے میں گفتگو کرتا رہا۔

خلیفہ العاضد کی حالت اس وقت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس پر حزن کی کیفیت طاری تھی، اگرچہ ہونٹ مسکرا رہے تھے لیکن دل رو رو رہا تھا، وہ محسوس رہا تھا کہ آج شاہانہ طرز پر اس نے جس شخص کا استقبال کیا ہے جس کے اجلال و اکرام اُس نے دیرینہ رسم ترک کر لی اور محل کے گوشہ سے باہر نکلا، یہ وہ شخص ہے جو اس کی کا گاہک ہے، جو اس کے اقتدار و اختیار کا دشمن ہے جو اس کی عظمت چھین لینے کے در ہے جو اُسے ہٹا کر خود آگے بڑھنے کا فیصلہ کر چکا ہے ——— آج کی پیشوائی نے اس کی آن میں ملا دی، اس کی شان گھٹا دی، اس کا آداب شاہی ختم کر دیا، وہ خود اپنی نظر میں حقیر ہیچ میرز نظر آ رہا تھا، اُسے خود اپنے آپ سے شرم آ رہی تھی، یہ سوار، یہ سپاہی، یہ یہ خزانہ، یہ غلام، یہ کنیزیں اور باندیاں، یہ دستر خوان کی وسعت اور آرائش، یہ موتیوں کے اور جواہروں کے خزانے، کاش یہ کچھ میرے پاس نہ ہوتا، میں ایک غریب اور مفلوک ال شخص ہوتا، لیکن اپنے ارادوں کا مالک تو ہوتا، اب میری حیثیت ایک قیدی سے

کیا ہے؟ حکومت دوسروں کے ہاتھ میں ہے نام میرا ہے! —— کاش میں مزدور ہوتا، دن بھر محنت کرتا، اور رات کو روکھی سوکھی کھا کر پڑ رہتا، وہ کام تو مجھے نہ کرنے پڑتے جنہیں میں اپنی ذلت سمجھتا، کس قدر حیرت اور غیرت کا مقام ہے، عزت و تکریم کے اعتبار سے میرا پایہ سب سے بلند ہے، لیکن ذلت اور خواری کے اعتبار سے بھی میرا کوئی کوئی ہمسر نہیں، میری رفعت مقام کا یہ عالم ہے کہ یہ سارا ملک میرا ہے یہاں کا ہر فرد میری رعایا ہے، یہاں کے وزراء میرے حکم کے تابع ہیں، اور ذلت نفس کی یہ کیفیت ہے کہ اپنے وزیر کے باپ کے استقبال کے لئے مجھے پیشوائی کی خاطر، جلوس کے ساتھ نکلنا پڑتا ہے جس کا میں استقبال کرتا ہوں، وہ میرے سامنے سر جھکاتا ہے، لیکن یہ سوچ کر کہ جب چاہے وہ میری گردن مروڑ سکتا ہے! وہ میرا محکوم اور تابع ہے لیکن اس کا حکم مجھ پر چلتا ہے، میں اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا، میں کسی قیمت پر اس کی حکم عدولی نہیں کر سکتا، میں اس کے اشارۂ چشم پر چلنے پر مجبور ہوں، مجھے اگر زندہ رہنا ہے، اس مسند خلافت پر قابض و متصرف رہنا ہے، تو ممکن نہیں کہ اس کی مرضی کے خلاف کچھ کر سکوں —— یہ ہے میری زندگی، کیا اس زندگی پر فخر کیا جا سکتا ہے؟ کیا یہ زندگی گوارا کی جا سکتی ہے ——؟

ان ہی خیالات میں گم، جلوس شاہی کے ساتھ، خلیفہ عاضد، قصر کبیر میں پہنچا، یہ تو بہت سے قصروں اور محلوں کا مجموعہ تھا، اس میں متعدد نشاط افزا اور روح پرور باغات تھے، نہایت شاندار میوزیم تھا، زندہ جانوروں اور پرندوں کا عجائب خانہ تھا نہریں تھیں، روشیں تھیں، خیاباں تھے، غرض دنیا میں جنت کی کامیاب نقل جا سکتی تھی اس کا مظاہرہ صرف اس قصر کبیر ہی میں ہو سکتا تھا —— یہاں ہر وہ چیز موجود تھی جو کہیں اور نظر نہیں آ سکتی۔

اسی قصر کبیر میں ایک دوسرا چھوٹا سا قصر بھی تھا، جس کا نام ——" قصر ال یا قصر طلائی تھا، یہ اگرچہ قصر کبیر کا ایک جز تھا، لیکن اپنی صناعت اور خوبیٔ تعمیر کے اع سے اپنی نظیر آپ تھا، اس قصر میں، خلیفہ ہفتہ میں دوبار، یعنی پنجشنبہ اور دو نشست رکھا کرتا تھا۔ جلوس سے واپسی میں خلیفہ کی سواری اسی محل کے سامنے ٹھہری گھوڑے سے اتر کر، خلیفہ اس کمرے کے ایوان میں جلوہ فرما ہوا، جو استقبال کے لئے خاص طور پ گیا تھا، اور جس کا نام قاعۃ الذھب (ایوان طلائی) تھا، ہال کے درمیان، ایک سو کا مرصع تخت نصب تھا، خلیفہ اس تخت پر آکر متمکن ہوگیا، اس تخت طلائی کا وزن متقال بتایا جاتا تھا، اس کے گرد ایک خوب صورت جنگلہ تھا، اس پر سونے ک اور نظر فریب بیل بوٹے بنے ہوئے تھے اور پانچ سو مختلف رنگ کے جواہر جڑے ہوئے تھے جن کی رنگا رنگی نے ایک عجیب چکا چوند پیدا کر دینے والی جگمگا پیدا کر دی تھی، تخت کے اوپر ایک چھتر سایہ افگن تھا، اس کا وزن تیس ہزار متق تھا۔ ہال کی دیواریں زر کار، اور زر نگار، دیبا سے مزین تھیں، یہ ہال اس طرح گیا تھا کہ اس میں داخل ہو کر یہ شبہ ہونے لگتا تھا، ہم اس دنیا میں نہیں نہ جانے ک میں پہنچ گئے ہیں۔ جہاں کی ہر چیز نئی ہے، جہاں کی ہر چیز میں عجب ہے طرفگی ندرت ہے، جدت ہے، خلیفہ "العاضد" تخت طلائی پر بصد تمکین و تزئین م تھا۔ اس کے عمامہ میں جو بیش قیمت جواہرات لگے تھے، اس کی آب و تاب سامنے نظر کا ٹھہرنا محال تھا۔

خلیفہ جیسے ہی تخت پر متمکن ہوا، فوراً ہی وزیر حکومت صلاح الدین ایوبی ہوا۔ اور جو جگہ اس کے لئے مخصوص تھی، اس پر بیٹھ گیا، یہ جلسہ صرف نجم الدین کے ا

و اعزاز کے سلسلہ میں منعقد ہو رہا تھا، اس میں مخصوص لوگوں کے سوا کسی اور کو حاضری کی اجازت نہ تھی، خواہ کیسی ہی اہم شخصیت کا مالک کیوں نہ ہو، تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ نے حاجب کو حکم دیا۔

"مہمان عزیزی و محترم کو ہمارے حضور میں باریاب کیا جائے ـــ!"

ان کلمات کے منہ سے نکلتے ہی نجم الدین بڑے تپاک و اعزاز کے ساتھ ہال میں لایا گیا، خلیفہ نے منہ سے کچھ نہ کہا بیٹھ جانے کی اجازت اشارہ سے دی چنانچہ جو جگہ اس کے لئے مخصوص تھی۔ وہاں وہ ادب و احترام کا اظہار کرتا ہوا بیٹھ گیا

نجم الدین ایک وجیہہ اور خوش اندام شخص تھا، ہیبت اور جلالت اس کے چہرے سے ٹپکتی تھی، العاضد بھی اس کی وجاہت سے متاثر نظر آ رہا تھا اس نے مہمان مکرم و محترم پر ایک نظر ڈالی اور شفقت و مسرت کے عالم میں فرمایا:۔

"مرحبا مرحبا: ـــ ہمیں آپ کو اپنا مہمان بنا کر مسرت ہوئی، ہمیں امید ہے، یہاں آپ کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہیں کریں گے!"

اب تک دربار کا معمول یہ تھا کہ خلیفہ جب کسی کی عزت افزائی کے لئے کچھ کلمات ارشاد فرماتا تھا، تو وہ فوراً اٹھ کر خلیفہ کے قدموں، اور ہاتھوں کو بوسہ دیتا تھا، سر جھکا کر کھڑا ہو جاتا تھا، اور اس وقت تک سرنگوں کھڑا رہتا تھا، جب تک خلیفہ اسے بیٹھنے کی دوبارہ اجازت مرحمت نہ کرے، لیکن صلاح الدین نے اس رسم کو توڑ دیا تھا، اور خلیفہ اس کا اتنا عادی ہو چکا تھا کہ آج شفقت آمیز کلمات کے بعد جب صلاح الدین اور نجم الدین نے اس عزت افزائی پر شکر و امتنان کا اظہار ہاتھ پاؤں چوم کر نہیں کیا تو اسے ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی، اس لئے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، اس کی ندرت ختم ہو چکی تھی۔

ایوان میں اس وقت جو لوگ موجود تھے، ان میں ایک غیر مدعو شخص بھی نظر آ
یہ خلیفہ سے قرابت کا شرف رکھتا تھا، عمر تقریباً پچاس سال تھی، یہ اس طرح دب
یا سمٹا ہوا، اور دبا ہوا بیٹھا تھا، جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ بغیر بلائے چلا آیا ہے
نہیں چاہتا تھا کہ اس کی موجودگی کسی کو محسوس ہو، صلاح الدین کی نظر اس پر پڑ گئی۔ لیک
اسے دیکھ کر خاموش رہا۔

جب سب لوگ اپنے اپنے مقام پر بیٹھ گئے تو عاضد نے گفتگو کا آغاز کیا، ع
کی عمر صرف ۲۱ سال تھی، وہ ابھی بالکل نوجوان تھا۔ لیکن اس کی عمر کسی طرح چالیس سال
کی نہیں معلوم ہو رہی تھی۔ ذہنی اور دماغی کوفت کے پیہم مصائب اور آلام نے ا
کی سرخوشی چھین لی تھی، وقت سے پہلے اسے بوڑھا بنا دیا تھا، یہ عمر ——— نوجوانی کی
——— اس لئے ہوتی ہے کہ زندگی کے لطف اٹھائے جائیں، لیکن اس کی عمر کا یہ زمانہ ہمت
اور روح فرسا مصائب کے لئے قدرت نے وقف کر دیا تھا، اپنے حالات دیکھ
وہ اکثر سوچا کرتا تھا، کاش نور الدین زنگی نے اس طرف توجہ نہ کی ہوتی، کاش شاور نے
مصر پر قبضہ کرنے کی رغبت نہ دلائی ہوتی، بلا سے مصر خانہ جنگی کا شکار ہو گیا ہوتا، ا
کے جھگڑوں نے اسے تباہ و برباد کر دیا ہوتا، لیکن ان ذلتوں سے تو سابقہ نہ پڑتا، جن
نے زندگی اجیرن کر دی تھی، اگر کوئی حساس، اور قیافہ شناس شخص اس وقت دربار میں
ہوتا تو وہ ضرور اس کے چہرہ پر یہ باتیں پڑھ لیتا۔

خلیفہ عاضد، نجم الدین سے مخاطب ہو کر، آپ کو راستہ میں کسی زحمت سے
تو دوچار نہیں ہونا پڑا ———؟

نجم الدین: سیدی مجھے ذرا بھی تکلیف سے سابقہ تو نہیں پڑا۔ سارا سفر نہایت

اور عافیت کے ساتھ طے ہوا، شاید اس لئے کہ میری دلی تمنا تھی کہ میں امام وقت (خلیفہ عاضد) کی زیارت سے شاد کام ہوں، خدا کا شکریہ ہے کہ میری یہ تمنا پوری ہوئی، اور اس وقت میں حضرت الامام کے روبرو موجود ہوں!

خلیفہ عاضد:۔ تمہارا آنا مبارک ہو، تمہاری آمد سے ہمیں مسرت ہوئی، ہم خوش ہیں کہ بغیر کسی زحمت سے دوچار ہوئے تم یہاں پہنچ گئے، ہم نے خدّام کو حکم دے دیا ہے کہ وہ تمہارے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھیں، تمہارے لئے "قصر لولو" (موتیوں کا محل) ہم نے مخصوص کر دیا ہے، وہیں تمہیں ٹھیرایا جائے گا اور ہمیں یقین ہے، وہاں تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی!

نجم الدین نے ان کلمات ستائش و تحسین کو سن کر سر عقیدت خم کیا اور اپنی نیاز مندی کا اظہار کر کے خاموش ہو گیا، پھر صلاح الدین ایوبی نے عرض کیا——

صلاح الدین:۔ میرے پدر بزرگوار کی پیشوائی حضرت الامام، خلیفہ کا بہ نفس نفیس تشریف لے جانا، ہماری اتنی بڑی، اور ایسی گراں مایہ عزت افزائی ہے جسے ہم تمام عمر فراموش نہیں کر سکیں گے، یہ ہمارا اتنا قیمتی سرمایہ اور اثاثہ ہے جو ہمیشہ ہمارے دلوں کو فخر و مسرت سے معمور رکھے گا۔ ہم جہاں کہیں بھی ہوں خلیفہ کی اس نوازش کو یاد کریں گے، اور اس کی درازیٔ عمر و ترقی اقبال کے لئے دعاگو رہیں گے!

خلیفہ خاموشی کے ساتھ صلاح الدین کی باتیں سنتا رہا۔ پھر اس نے سونے کا ایک ڈنڈا جو سامنے رکھا تھا، اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا، اور پہلو بدلتے ہوئے نجم الدین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

خلیفہ عاضد:۔ ہمارے دوست اتابک نورالدین زنگی، فرماں روائے شام کو تم نے

کس حال میں چھوڑا؟ وہ بخیر و عافیت تو ہیں؟

نجم الدین: (ادب و احترام کے ساتھ) سیدی وہ بالکل بخیریت ہیں، ہر طرح سے مسرور و شادماں ہیں، انھوں نے مجھ سے فرمایا تھا کہ آپ کی خدمت میں خلوص و محبت سے بھرا ہوا ان کا سلام پہنچا دوں، سو یہ فریضہ میں نے انجام دے لیا۔ وہ آپ کی درازیٔ عمر کے دعا گو ہیں، اور ہمہ وقت آپ کی ہر خدمت کے لئے اپنے تئیں آمادہ اور تیار پاتے ہیں، انھوں نے مجھ سے فرمائش کی تھی، کہ آپ تک ان کا یہ پیغام پہنچا دوں۔

خلیفہ عاضد: ہم نورالدین زنگی کے اخلاص سے بہت متاثر ہیں۔ ہمیں ان کی دوستی پر ناز ہے، ہمیں توقع ہے کہ روز بروز ہمارے ربط و تعلق میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔

نجم الدین: خود ان کا بھی یہی خیال ہے — وہ اس پر فخر کرتے ہیں کہ آپ کے نیاز مند ہیں۔

خلیفہ عاضد نے یہ باتیں بڑی ناگواری اور کڑواہٹ کے ساتھ سنیں، اور اس لئے کہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ ان الفاظ کے اصل معنی کیا ہیں، یا اس نے دیکھ لیا تھا، کہ نیاز مندی کا اظہار اس طرح ہوا کہ خلافت خطرے میں پڑ گئی، اقتدار چھن گیا، اختیار جاتا رہا، اور خود زندگی کے لالے پڑ گئے۔

لیکن یہ وہ تاثرات تھے جو صرف دل میں دبائے جا سکتے تھے، زبان تک نہیں آ سکتے تھے۔ وہ خاموشی کے ساتھ یہ باتیں سنتا رہا، پھر اس نے اپنی ناگواری کو چھپاتے ہوئے کہا:

خلیفہ عاضد: نورالدین نے کئی مرتبہ ہماری اعانت کی ہے اور اس اعانت پر ہم ان کے شکر گزار ہیں، خدا انھیں اس کی جزا عطا فرمائے، اب بھی یہی ہوا کہ ایک نادر اور گراں تحفہ، اور تمھارا بیٹا۔ صلاح الدین ہمارے پاس موجود ہے اور ہم ان کے ثنا خواں اور قدر شناس ہیں۔

نجم الدین: مولا الخلفا، میرا بیٹا، آپ کا ایک حقیر غلام ہے، وہ یہاں صرف اس لئے ہے، کہ آپ کی خدمت کرے، آپ کے احکامات بجا لائے، آپ کے ارشادات کو عملی جامہ پہنائے، اس کے لئے اس سے بڑھ کر سعادت کی؛ اور میرے لئے اس سے بڑھ کر فخر و مسرت کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ وہ آپ کا خادم ہے اور ہمہ وقت آپ کے حضور میں حاضر رہتا ہے ــــــ وہ آپ کی کسی خدمت سے بھی دریغ نہ کرے گا، اور آپ کو آسائش پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے گا ــــ!

خلیفہ مسکرایا، پھر اس نے اپنی گردن سے مالائے مروارید ی نکالا ــ بالکل ایسا ہی زرکار اور جواہر نگار، صلاح الدین کی گردن میں بھی تھا، اور ہاتھ بڑھا کر نجم الدین کو عطا کر دیا! اور فرمایا:

خلیفہ عاضد: آج کی ملاقات کی یادگار میں یہ ہدیہ ہماری طرف سے قبول کرو، تم نے خلوص، اور جذبہ سے بھرے ہوئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں، ہم ان کی معنویت کو محسوس کرتے ہیں. تم نے بہت جلد ہمارے دل میں جگہ پیدا کر لی، تم قصر لولو میں رہو وہاں تم پر ہماری طرف سے عنایات کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ ہم تمہیں تحائف بھیجیں گے اور جاگیر مرحمت کریں گے تم ہماری عنایت کے مستحق اور سزاوار ہو (۱)، ہم تمہیں "ملک الافضل" کا اور تمہارے بیٹے صلاح الدین کو "ملک الناصر" کا خطاب مرحمت فرماتے ہیں۔

نجم الدین نے مناسب الفاظ میں خلیفہ کا شکریہ ادا کیا، اور پھر مودب ہو کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

---

(۱) کتاب الروضتین صہ۱۸۴ ج ۱

رازدارانہ گفتگو!

تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ العاضد نے عصائے خلافت ہاتھ میں تھام لیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اب دربار برخاست ہونا چاہیئے یہ اشارہ پاتے ہی نجم الدین اور صلاح الدین اُٹھ کھڑے ہوئے، دونوں نے خلیفہ سے مصافحہ کیا، صلاح الدین نے دست بوسی کی کوشش بھی کی، لیکن خلیفہ نے شفقت کے ساتھ مسکرا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا، اور جاتے ہوئے نجم الدین سے مخاطب ہو کر کہا،

"تم قصر لولو میں آرام کرو، تمہاری آسائش کا ہر طرح انتظام کر دیا گیا ہے ——

صلاح الدین اب اس نئے شخص کے بالکل قریب کھڑا تھا، اور حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا، وہ شخص بھی ایک تمکین کے ساتھ صلاح الدین سے بالکل بے پروا الگ تھلگ کھڑا تھا، اس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں اس کے چہرے پر برہمی اور تکدر کے آثار تھے، وہ بالکل خاموش تھا، لیکن صاف معلوم ہو رہا تھا، یہ خاموشی، اضطراب قلب کو چھپانے کے لئے ہی ہے خلیفہ نے دونوں کو قریب کھڑے دیکھ کر صلاح الدین سے کہا،

"تم شاید انھیں پہچانتے ہو؟"

صلاح الدین نے اس نو وارد اجنبی کو پھر نگاہ بھر کر دیکھا اور کہا: "نہیں امیر المومنین میں انہیں بالکل نہیں پہچانتا، شاید آج میں نے پہلی مرتبہ انہیں دیکھا ہے؟"

خلیفۃ العاضد: "یہ شریف ابوالحسن ہیں، اور ہمارے رحما، (چچاؤں) میں سے ایک بزرگ ہیں بہت عرصہ سے یہ باہر تھے اب آئے ہیں، اور شاید ابھی کچھ عرصہ تک قیام کریں گے

کم از کم ہماری بھی یہی منشا ہے! پھر وہ شریف ابوالحسن کی طرف مخاطب ہو کر گویا ہُوا!

یہ ہمارے وزیر باتدبیر، بہادر اور شجاع ابو یوسف صلاح الدین ہیں جنھیں اگر جدید مصر کا نجات دہندہ کہا جائے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہو گا۔!

صلاح الدین:۔ یہ امیر المومنین کی بندہ پروری ہے ورنہ من آنم کہ من دانم، باقی رہے آپ کے عم محترم شریف سے مل کر بے اندازہ مسرت ہُوئی۔!

شریف ابوالحسن: اکراہت کے ساتھ) اور مجھے بھی۔ پھر دربار برخاست ہو گیا

نجم الدین اور صلاح الدین خلیفہ سے رخصت ہو کر قصر سے باہر نکلے، دونوں کے خدام اور غلام، ہر طرح سے مسلح اور چوکس گھوڑوں پر بیٹھے قصر کے دروازے پر موجود تھے ان ہی میں ایک نوجوان عماد الدین بھی تھا، عماد الدین کا حسن مردانہ اور جمال ترکانہ اپنا جواب نہیں رکھتا تھا وہ بڑی سحر طراز شخصیت کا مالک تھا اور صلاح الدین تو اس سے بہت زیادہ متاثر تھا کسی وقت بھی اسے اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتا تھا، عوام میں بھی وہ محبوب تھا اور صلاح الدین تو اس سے غیر معمولی محبت کرتا تھا، اسی لئے اُس نے اسے باڈی گارڈ بنا لیا تھا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلا، اُس کی آنکھیں عماد الدین کو ڈھونڈھنے لگیں، عماد الدین بھی اپنے آقا اور حاکم کو دیکھتے ہی تیزی سے لپکا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا، جو لباس وہ اسوقت پہنے تھا اس نے اس کی دل آویزی اور بڑھا دی تھی، ٹخنوں سے اونچا چست پاجامہ کمر میں چمڑہ کا پٹکا جس میں زر کار تکمہ لگا ہوا تھا، اس پر کتاں کی زرنگار زرہ سر پر چھوٹا سا خوب صورت عمامہ، جس میں سونے کا کام کیا ہوا تھا، کمر سے تلوار بندھی ہُوئی، سینہ کے قریب ایک خنجر آویزاں، صلاح الدین نے اسے نگاہ شفقت سے دیکھا اور کہا:

"ہم موتی محل (قصر لولو) چل رہے ہیں، والد ماجد کے قیام کا وہیں انتظام کیا گیا ہے"

قصر لولو (موتی محل) قاہرہ کے بہترین نزہت افزا اور روح پرور مقاما
سے تھا۔ اس کے اندر ایک وسیع اور خوش نما باغ تھا۔ باغ کے اندر طرح طرح کے درخت
پھول دار پودے تھے رنگا رنگ کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے سارا باغ ہر وق
مہکتا رہتا تھا جب جایئے مشام جان معطر ہو جائے" قصر کے اندر بہت سے کمرے
ہر کمرہ قیمتی سامان سے سجا ہوا ہر کمرے میں قیمتی فرش، اور غالیچے بچھے ہوئے تھے، دی
پردے لٹک رہے تھے جن پر طلائی کام نے اور زیادہ بہار پیدا کر دی تھی، مسند
کنارے ریشم کے گاؤ تکیئے رکھے تھے، سونے، چاندی، ہاتھی دانت، اور صندل کی لکڑی
تپائیاں، برتن مسہریاں، باغ میں مختلف اقسام کے خوش رنگ اور خوش الحان پرند
بعض قفس میں مقید تھے، اور بعض یونہی کھلم کھلا، داد پرواز دے رہے تھے اس ڈالی سے پھد
اُس ڈالی پر پہنچ گئے، اس درخت پر بیٹھے بیٹھے جی گھبرایا تو پھدک کر دوسرے درخ
پر ہو رہے، موتی محل واقعہ یہ ہے کہ فاطمی خلفا کے عیش و عشرت کی بڑی قیمتی اور گر
مایہ یادگار تھی، جیسے ہی نجم الدین اور صلاح الدین یہاں پہنچے، محل کے اسٹاف نے پذیرا
کی اور مہمانوں کو ان کے کمروں میں پہنچا دیا، خدام کے ہاتھوں میں عطر کی شیشیاں اور طر
طرح کے بخورات تھے جن سے فضا پر ایک عجیب قسم کی رومانوی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔
نجم الدین اور اس کے ساتھیوں کے کپڑے اتار دے اور شب خوابی کا لباس پہنایا، کچھ دیر تک
دونوں میں عام اور رسمی قسم کی باتیں ہوتی رہیں موضوع گفتگو زیادہ تر آس پاس کی صلیبی جنگو
تک۔ یا پھر راستہ کی تکلیفوں اور راحتوں سے متعلق تھا، لیکن صلاح الدین نے بہت جلد
محسوس کر لیا کہ نجم الدین کچھ مخصوص قسم کی باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے باپ، کو محل کی سیر کرا
کے بہانے سے اٹھایا، اور اس کمرہ میں لے گیا، جہاں کوئی اور نہ تھا۔ نجم الدین بھی تیار

ہوکر آیا تھا۔ اس نے اپنے سامنے صلاح الدین کو بٹھا لیا اور کہا:۔

نجم الدین:۔ اس دربار میں تمہاری قدر و منزلت اور ہیبت و عظمت دیکھ کر میں بہت مسرور و متاثر ہوا۔

صلاح الدین:۔ ایک باپ کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے عروج کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔!

نجم الدین:۔ ہاں تم نے سچ کہا لیکن بیٹے ایک بات پر مجھے حیرت ہے میں نے محسوس کیا، تم عاضد کو کچھ اہمیت نہیں دیتے حالانکہ بہر حال وہ مصر کا خلیفہ ہے، اہم ہے، سب کچھ ہے۔

صلاح الدین:۔ (مسکرا کر) بجا ارشاد ہوا پدر محترم بات یہ ہے کہ خلافت اور اس کا اقتدار اب اس وقت تک ہے جب تک مجھ سے ڈرتا ہے۔ خلیفہ نے یہ محسوس کر لیا ہے لہذا وہ میری خوشنودی مدنظر رکھتا ہے، میں اپنی قوت و طاقت کا صحیح اندازہ کرتا ہوں، لہذا اسے ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا:۔

نجم الدین:۔ بہر حال وہ خلیفہ ہے اور اپنے آپ کو خلیفہ سمجھتا ہے

صلاح الدین:۔ جی ہاں، اگرچہ وہ ہمارا قیدی ہے لیکن ہم اس کے اس خیال میں مزاحم نہیں ہوتے

نجم الدین، ہنسنے لگا، پھر اس نے کہا۔

"بیٹے، میں ایک خاص مقصد سے آیا ہوں"!

صلاح الدین ہمہ تن گوش ہو گیا، اس نے کہا:

صلاح الدین:۔ ارشاد، میں غور اور توجہ سے سن رہا ہوں۔

نجم الدین:۔ مجھے بادشاہ نورالدین زنگی نے بھیجا ہے اور میرے ذریعے تم سے پوچھا ہے کہ تم جس کام پر مامور کئے گئے تھے، وہ اب تک انجام کو کیوں نہیں پہنچا۔؟

صلاح الدین :۔ (کچھ سوچتے ہوئے) ابا جان مجھے بالکل نہیں یاد آپ کس بات
طرف اشارہ کر رہے ہیں؟

نجم الدین :۔ نور الدین زنگی نے کہا ہے کہ تم مصر اس لئے بھیجے گئے تھے کہ وہاں کی مسج
میں عباسی خلیفہ المستنجد کا خطبہ پڑھواؤ، مصر کے لوگوں کو خلافت عباسیہ کی بیعت پر را
—— کیا تم نے یہ کام کیا؟

صلاح الدین :۔ نہیں یہ کام اب تک نہیں ہو سکا۔

نجم الدین :۔ لیکن اس کا سبب؟ —— کیا نور الدین زنگی کو بجا طور پر تم سے شکایت کا مو

صلاح الدین :۔ ہو گا —— لیکن میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔

نجم الدین :۔ (حیرت و استعجاب سے) تم سلطان نور الدین زنگی کی پرواہ
کرتے؛ جنھوں نے تمھیں یہاں بھیجا تھا۔؟ جن کے حکم سے تم یہاں آئے تھے، جن کے احک
کی تعمیل کرنے پر مجبور ہو؟۔

صلاح الدین :۔ ابا جان، میں ان باتوں کو نہیں مانتا، یہ سب بیکار باتیں ہیں ا
میں نے فتح کیا ہے، میرے دست و بازو نے فتح کیا ہے، نور الدین نے کسی اور کو بھ
ہوتا۔ تو وہ شکست کھاتا، اور زنگی کے زوال کا سبب بنتا، میں آیا، فتحیاب ہوا، اور زنگی
دھاک بٹھادی میں نے!۔

نجم الدین :۔ بجا درست —— خود زنگی کو تمھارے ان کارناموں کا اعتراف ہ

صلاح الدین :۔ میں نے مصر فتح کیا، میں نے خلیفہ کو زنگی کا تاج گزار بنایا، میں
قصر خلافت کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ میں نے مصر پر اپنے اقتدار کا پرچم لہرایا، جو میر
راستہ کا روڑا بنا، اُسے میں نے تباہ کر دیا —— شاور کو تو آپ جانتے ہوں گے۔!

نجم الدین :۔ ہاں اچھی طرح جانتا ہوں، اسی کی تحریک پر سلطان زنگی نے مصر پر فوجی مہم
ھاری سرکردگی میں بھیجی تھی!۔۔۔ لیکن وہ کہاں ہے؟ میں نے اسے کہیں دیکھا نہیں
صلاح الدین :۔ وہ ملک عدم پہنچ چکا، اس نے پھر ٹکر لینے کی کوشش کی تھی اور جو مجھ
ے ٹکرانے کی کوشش کرتا ہے اس کا انجام یہی ہوتا ہے اور یہی ہونا چاہیئے۔!
نجم الدین :۔ لیکن لختِ جگر ان باتوں کا حاصل کیا ہے؟ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔۔۔؟
صلاح الدین :۔ یہ کہ زنگی کو زیادہ حرص اور لالچ سے کام نہیں لینا چاہیئے
نجم الدین :۔ (بہت زیادہ متحیر ہو کر) کیا مطلب؟ آخر مقصد کیا ہے تمہارا۔۔۔؟
صلاح الدین :۔ مصر میں نے فتح کیا ہے اور وہ میرے ہی پاس رہے گا۔ وہ زنگی کا تابع
اور محکوم نہیں بن سکتا۔
نجم الدین :۔ تم زنگی سے لڑ کر خود مختاری کا اعلان کرنا چاہتے ہو؟
صلاح الدین :۔ بے شک (عزم کے ساتھ) کیا میں ایسا کرنے میں حق بجانب نہیں ہوں
نجم الدین :۔ لیکن تمہیں سوچ سمجھ کر اقدام کرنا چاہیئے۔
صلاح الدین :۔ میں نے اچھی طرح سوچ لیا ہے مجھے یقین ہے میں مصر پر قابض رہ
سکتا ہوں، جب سے میں یہاں آیا ہوں جو کچھ کیا ہے میں نے کیا ہے، زنگی کو کسی طرح کی زحمت نہیں
اٹھانی پڑی پس جو زحمت اٹھائے اور دکھ جھیلے اس کو محنت کا پھل ملنا چاہیئے، مصر
میرا حق ہے اور میرے ہی پاس رہے گا۔
نجم الدین :۔ اور خلافت عباسیہ کی دعوت کا کیا ہوگا؟ کیا مصر بدستور عباسی خلافت
سے منقطع رہیگا؟۔۔۔ کم از کم اس کام کیطرف تو تمہیں توجہ کرنی چاہیئے۔۔!
صلاح الدین :۔ یہ بات میرے پیش نظر ہے لیکن موجودہ حالات میں ایسا نہیں

ہوسکتا، اسوقت اگر اس طرح کا اقدام کیا گیا، تو اسکے نتائج نہایت تلخ ہوں گے ا
تلخ نتائج کا اس وقت مقابلہ کرسکتا تھا، اگر ضرورت ہوتی۔!

نجم الدین :- اب تم ضرورت نہیں محسوس کرتے؟

صلاح الدین :- جب خلیفہ میرے اقتدار کو تسلیم کرچکا، جب مصر پر میری حکو
جب سارے ملک میں کوئی میرا حریف نہیں، تو کیوں میں ایک جلد بازانہ اقدام
بہت سے مخالف اور حریف پیدا کر دوں:

نجم الدین :- تو صرف بہادر اور شجاع ہی نہیں، مدبر اور سیاست دا
ہے ——— مجھے اپنے بیٹے پر فخر ہے، ناز ہے۔

صلاح الدین نے باپ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، وہ اپنے عمامہ کو ٹھ
ہوا اٹھا۔ اور ٹہلنے لگا، ٹہلتے ٹہلتے اس کی نظر دیوار پر پڑی، متعدد تصویریں بنی ہوئ
ہر تصویر کے نیچے صاحب تصویر کا نام لکھا تھا، نام پڑھے تو معلوم ہوا کہ تصویریں ا
کی ہیں جو فاطمی خلافت کے عہد عروج و اقتدار میں اکناف و اطراف عالم سے حاضر د
ہوا کرتے تھے، ان تصویروں کو دیکھ کر صلاح الدین کے حافظہ میں وہ باتیں گھومنے
جو اس نے خلیفہ الآمر باحکام اللہ، ایک فاطمی خلیفہ سے سنی تھیں، اس نے کہا تھا جب ق
برکت العبش تیار ہوا، تو اس کی دیواروں پر ان شاعروں کی تصویریں بنائی گئیں جو خلیفہ
دربار میں حاضر تھے۔ تصویر کے اوپر شاعر کے چند شعر، اور نیچے اس کا نام اور
لکھا ہوا تھا۔ خلیفہ نے جب قصر میں تشریف فرما ہو کر ان تصویرو
دیکھا، اور شاعروں کا مدحیہ کلام پڑھا، تو حکم دیا۔ مصری شاعر کی ت
کے نیچے پچاس دینار کی تھیلی رکھ دی جائے، اور شاعر خود حاضر ہو کر یہ تھیل

ئے، دفعتہً اس کے کانوں میں باپ کی آواز آئی۔

نجم الدین: میرے خیال میں نورالدین زنگی سے تمہیں اس وقت تک نہیں
ڑنا چاہیئے۔ جب تک مصر پر تمہارا اقتدار ہر اعتبار سے کامل اور مکمل نہ ہو جائے
ر تم بالکل اس کے مالک اور مختار نہ بن جاؤ، اور اس کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ تم مصر
ں عباسی خلافت کی دعوت کو فروغ دینے کی جدوجہد کرو، اور اس کے بعد
یکھو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

صلاح الدین باپ کی گفتگو سن کر خاموش ہو گیا، وہ اس وقت نہ جانے
یا کیا سوچ رہا تھا، اس نے کہا:

"رات کافی ہو گئی ہے اب آپ آرام فرمائیں، صبح یہ غلام پھر حاضر
خدمت ہو گا———!"

شاہِ شطرنج!

نجم الدین اور صلاح الدین کو رخصت کرنیکے بعد خلیفہ عاضد ، بدستور
ایوان میں موجود رہا ، اسنے حاجب کو بلاکر حکم دیا

"اب کسی کو بھی آنے کی اجازت نہ دی جائے"!

حاجب نے تعمیل ارشاد کے لئے ادب سے گردن جھکائی اور چلا گیا پھر ایک
حاضر ہوا ، اس نے درباری لباس اتارنے میں خلیفہ کو مدد دی ، اور دوسرا لباس پہنادیا
چلا گیا ، اب کمرے میں صرف خلیفہ عاضد اور شریف ابو الحسن رہ گئے ، خلیفہ کے چہرے پر
انقباض اور تکدر کے آثار بہت زیادہ نمایاں تھے ، جو کیفیت اسنے نجم الدین اور صلا
کی موجودگی میں چھپا رکھی تھی ، اب وہ پورے طور پر ظاہر ہورہی تھی اس کا چہرہ تمتمایا
آنکھوں میں برہمی اور طیش کی چمک تھی ، غور سے دیکھا جاتا ، تو یہ بھی محسوس کیا جاسکتا تھا کہ
وقت اس کا جسم کانپ رہا ہے ، اور ایک عجیب بحرانی کیفیت اس پر طاری ہے شریف
یہ کیفیت دیکھ کر آگے بڑھا ، اس نے خلیفہ کو سہارا دیا اور آرام سے تخت پر لٹا دیا ، پھر اس
نبض ٹٹولی ، تو محسوس ہوا کافی تیز بخار ہے ، اس نے بڑے تعلق خاطر کے ساتھ دریافت

ابو الحسن : امیر المومنین کا مزاج گرامی کیسا ہے میں اسوقت طبیعت کچھ ناساز پا رہا ہوں

خلیفہ عاضد : مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے میری رگ و پے میں درد سرایت
ہوگئے ہے ، جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے ، اور اضمحلال ہے کہ بڑھتا جارہا ہے —!

ابو الحسن : لیکن امیر المومنین کیوں؟ —— آخر اس کا سبب؟ علت؟ ——

خلیفہ عاضد: میرا خیال ہے یہ میرے غیر معمولی ــــ تحمل کا نتیجہ ہے پیہم اور مسلسل ایسے واقعات پیش آ رہے ہیں۔ جو میری انانیت کو مجروح کرتے ہیں، میری خودداری کو جھنجھوڑتے ہیں، میری خودی پر ضرب لگاتے ہیں، مجھے خود میری نظروں میں ہیچ بنا دیتے ہیں ــــ آہ ابوالحسن یہ میرا ہی دل ہے کہ ان حالات کو دیکھتا ہوں، سمجھتا ہوں، محسوس کرتا ہوں، اور برداشت کرتا ہوں ــــ!

یہ الفاظ ادا کرتے کرتے، خلیفہ کی آواز بھرّا گئی، اس کا گریہ گلوگیر ہو گیا اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اس کی یہ کیفیت دیکھ کر ابوالحسن بھی رو ہانسا ہو گیا، اور اس نے کہا۔

ابوالحسن: مولانا الامام ــــ کون مشکل ایسی ہے جو آسان نہ ہو؟ کون دشواری ہے جو راحت و آرام سے بالآخر نہ بدل جائے ــــ بے شک یہ ایک تکلیف دہ دور ہے لیکن ختم ہوگا۔ اور یقیناً جلد ختم ہوگا۔ آپ خدا کے مقرب بندے ہیں اور اللہ اپنے نیک بندوں کو اسی طرح آزماتا ہے ــــ!

خلیفہ عاضد: تم نے دیکھا؟ ــــ مجھے اس کم مایہ اور بے حقیقت کردی (نجم الدین) کے استقبال کے لئے قصرِ خلافت سے باہر جانا پڑا! مجھے اس کی پیشوائی کرنی پڑی مجھے اپنے سب سے قیمتی اور سنہرے محل ــــ قصرِ لولو ــــ میں اسے ٹھہرانا پڑا، مجھے اس کی عزت و تکریم کرنی پڑی، کیا تم سمجھتے ہو یہ سب میں نے خوشی سے کیا؟ ــــ نہیں میں اپنی ذلتِ نفس محسوس کر رہا ہوں۔ توہین کا احساس مجھے بے خود کئے دے رہا تھا۔ لیکن میں مجبور تھا، کچھ نہ کر سکتا تھا۔ ابوالحسن کیا اس سے بڑھ کر بھی کوفت اور گھٹن کی کوئی بات ہو سکتی ہے کہ آدمی با اقتدار ہو کر بے اقتدار ہو جائے یا با اختیار ہو، اور اس کا اختیار چھین لیا جائے، حاکم ہو پھر محکوم بن جائے، مالکِ کل ہو، اور پھر کچھ نہ رہ جائے، ابوالحسن سوچو،

اس بدبخت اور نامراد کے دل کا کیا حال ہوگا؟ ـــــ بس یہی کیفیت اس وقت
کیا میری حالت کا اندازہ تم نہیں کر سکتے؟

ابوالحسن یہ باتیں غور اور توجہ سے سن رہا تھا، اور اپنی ڈاڑھی میں خلال کر
تھا۔ اس نے خلال کا سلسلہ بند کر کے کہا

ابوالحسن:۔ مجھے پورا پورا اندازہ ہے امیرالمومنین ـــــ!

خلیفہ عاضد:۔ ان کردیوں نے میری حکومت پر قبضہ کر لیا ہے، میری حکومت چھ
ہے، مجھے اپنا قیدی بنا لیا ہے۔!

ابوالحسن:۔ لیکن وہ وقت بھی آئے گا جب یہ حالات بدلیں گے۔ او
خود اپنے دام بلا میں گرفتار ہو جائے گا۔

خلیفہ عاضد:۔ لیکن یا عم۔ کب؟ ـــــ وہ مبارک دن کب آئے گا۔؟

ابوالحسن:۔ بہت جلد، خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں
ہماری دعاؤں کو سنتا ہے ہمارے حالات سے باخبر ہے وہ رحیم و کریم ہے، عادل او
ہے ـــــ میں امیرالمومنین کو یقین دلاتا ہوں، یہ خزاں کا موسم دور ہوگا۔ اور فصل بہار
یہ مصیبت ختم ہوگی، اور کامرانی کا سورج طلوع ہوگا ـــــ کیوں نہ ہوگا ضرور ہوگا۔ میں
حضور میں دست بدعا ہوں، کہ وہ ہماری سنے، انصاف کو کام میں لائے اور ان ظا
شکنجہ سے ہمیں نجات دے، ابھی ہمارا کام صرف یہ ہے کہ صبر کریں۔

خلیفہ عاضد:۔ لیکن صبر و ضبط کی بھی کوئی حد ہوتی ہے؟ کب تک صبر کئے جا
میرا سینہ پھٹا جاتا ہے، لیکن میں آہ نہیں کر سکتا، میرے دل کے ٹکڑے ہوئے جا رہے
لیکن فریاد میرے لب تک نہیں آ سکتی میرا دماغ معطل اور مفلوج ہوا جا رہا ہے

میں صبر پر مجبور ہوں ـــــ۔

ابوالحسن :۔ صرف چند روز اور امیرالمومنین، پھر ان شاء اللہ، یہ دورِ نکبت ختم ہوگا، اور ہم اطمینان کا سانس لیں گے :۔

خلیفہ عاضد :۔ تم نہیں جانتے، میرے ساتھ یہ لوگ کیسا سلوک کرتے ہیں؟ یہ بدتمیز ہیں، گستاخ ہیں، شوخ چشم ہیں، دیدہ دلیر ہیں، دریدہ دہن ہیں؛

ابوالحسن :۔ امیرالمومنین ـــــ؟

خلیفہ عاضد :۔ یہ بیہودگی اور بیباکی کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوتے ہیں، سارے معاملات ان کے قبضہ و تصرف میں ہیں، میری حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہیں ـــ

ابوالحسن :۔ امیرالمومنین مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے ان ساری باتوں سے میں واقف ہوں

خلیفہ عاضد :۔ نہیں تم کچھ نہیں جانتے، صلاح الدین نے ہمارے دور کے قاضیوں حاکموں اور مفتیوں کو معزول کر دیا ہے اور ان کی جگہ شافعی (۱) مذہب کے قاضیوں کا تقرر کر دیا ہے۔ کردی اسی مذہب پر عامل ہیں اور اس کے رواج پر تلے ہوئے ہیں،

ابوالحسن :۔ مولانا الخلیفہ، یہ تمام حقائق اور واقعات ہمارے علم میں ہیں،

خلیفہ عاضد :۔ ان کردیوں نے حکومت کے تمام شعبوں پر قبضۂ مخالفانہ کر رکھا ہے۔ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ نہ مجھ سے پوچھتے ہیں۔ نہ اجازت لیتے ہیں، نہ استصواب کرتے ہیں، حاکم یہ ہیں، میری حیثیت تو صرف ایک محکوم کی ہے

ابوالحسن :۔ یہ بات بھی میری نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔

خلیفہ عاضد :۔ اور پھر بھی تم مجھے مشورہ دیتے ہو کہ میں خاموش رہوں؟ پھر بھی

---

(۱) حسن المحاضرہ صفحہ ۲۵ ج ۲۔

تمہاری صلاح یہ ہے کہ میں صبر سے کام لوں؟ پھر بھی تمہارا خیال یہ ہے کہ مجھے ضبط سے کام لینا چاہیئے —— آہ، کتنا سفاکانہ اور ظالمانہ مشورہ ہے یہ! اور جس طرح میں کردیوں کی بالادستی ماننے پر مجبور ہوں، اسی طرح اس مشورہ کو تسلیم کئے بغیر بھی چارہ نہیں —— قسمت، نصیب —— کاش میں مرگیا ہوتا!

ابوالحسن بدستور ڈاڑھی میں خلال کر رہا تھا اسے یہ غیر معمولی قدرت اپنے اوپر حاصل تھی کہ دوسرے کی کہانی سنتا رہے۔ لیکن اپنے چہرے پر کسی قسم کا تاثر نمایاں نہ ہونے دے اسوقت وہ صرف ڈاڑھی میں خلال کرنے میں مصروف تھا کسی طرح کا تاثر اس کے چہرے سے ظاہر نہیں ہو رہا تھا، اس نے یہ باتیں سُن کر بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

ابوالحسن:۔ پھر بھی امیرالمومنین کو میرا ناچیز مشورہ یہی ہے کہ وہ خاموشی اور صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دیں —— یہی مصلحت ہے!

خلیفہ عاضد:۔ مصلحت —— میری زندگی تو اب مصلحت ہی کی تابع ہو کر رہ گئی ہے

ابوالحسن:۔ امیرالمومنین مجھ پر اعتماد کیجئے۔

خلیفہ عاضد:۔ تم پر اعتماد کروں؟ —— کرتا تو ہوں، لیکن تم کیا کروگے؟ کیا کر سکتے ہو؟

ابوالحسن:۔ جو کچھ میرے بس میں ہوگا، میں اس سے دریغ نہ کروں گا۔ امیرالمومنین میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا——!

خلیفہ عاضد:۔ اچھا —— دیکھوں گا، دیکھتا ہوں، تم کیا کر سکتے ہو؟

ابوالحسن:۔ اس معاملہ کو جتنا آپ اہم سمجھتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ اہمیت میری نظر میں ہے، یقین فرمایئے، میں انگاروں پر لوٹ رہا ہوں یہ صورت حال دیکھ کر——!

خلیفہ عاضد :۔ مجھے تمھاری کارگزاری کا اشتیاق کے ساتھ انتظار ہے ۔۔۔!

ابوالحسن :۔ مجھے موقعہ دیجئے ۔۔ میں پوچھتا ہوں ۔ کیا خلافت فاطمیہ ہماری نہیں ہے؟ مصر کی حکومت ہماری نہیں ہے؛ کیا یہاں کے باشندے ہمارے تابع نہیں ہیں؟

خلیفہ عاضد :۔ ہاں ۔۔۔۔ یہ سب کچھ ہے!

ابوالحسن :۔ تو یہ سب کچھ ہمارے پاس رہے گا، اس لئے کہ ہمارا ہے ۔۔۔ دولت فاطمیہ کی حیات ہماری زندگی ہے ۔ اس کی موت ہماری موت ہے' اس کے بغیر زندہ رہنا ہمارے لئے باعث شرم ۔ باعث ننگ ہے ۔ اسے ہم زندہ رکھیں گے ، اس لئے کہ خود ہماری زندگی کا انحصار بھی اسی پر ہے

خلیفہ عاضد :۔ میں تمھارے ان جذبات کی قدر کرتا ہوں ۔!

ابوالحسن :۔ آپ کی تمنا پوری ہوگی ۔ میرے دل میں بہت سے خیالات موجزن ہیں' دماغ میں بہت سی اسکیمیں گردش کر رہی ہیں ، طرح طرح کے پروگرام حصول مقصد کے سلسلہ میں زیر غور ہیں ۔

خلیفہ عاضد :۔ ہم ان واقعات سے واقف ہونا چاہتے ہیں ، ان پر غور کرنا چاہتے ۔ تفصیل سے کہو جو کچھ کہنا چاہتے ہو ۔۔۔!

ابوالحسن :۔ نہیں امیرالمومنین اس وقت نہیں آپ کا مزاج ناساز ہے طبیعت مکدر ہے ۔ طبیعت درست ہولے' مزاج رو براہ ہو جائے ، پھر پوری بسط و تفصیل سے اپنے خیالات خدمت عالی میں پیش کروں گا ۔!

خلیفہ عاضد :۔ لیکن تم نے اشتیاق کی کیفیت ہم میں پیدا کر دی ہے

ابوالحسن :۔ اس وقت آرام فرمایئے ، میں شریف جلیس کو اپنے خیالات اور اسکیموں سے آگاہ کروں گا ، وہ کسی وقت حاضر خدمت ہو کر آپ کو بتا دیں گے ۔ پھر ہم ان پر تبادلہ خیال کر کے

عمل شروع کر دیں گے۔ لیکن اس وقت مقدم تر کام یہ ہے کہ آپ ا
فرمائیں، فکرمند نہ ہوں، پریشانی کو قریب نہ پھٹکنے دیں۔

خلیفہ عاضد:۔ وہ کام بتاتے ہو، جو آتا نہیں مجھ کو!
پریشانی میری طبیعت ثانیہ بن چکی ہے، غم اور اندوہ کو مجھ سے وہ تعلق
جو چولی کو دامن کے ساتھ ہوتا ہے میری حرماں نصیب طبیعت کو سکون کہاں؟ آرام
—— خرجاؤ، یہ باتیں پھر کسی وقت کریں گے ——
ابوالحسن:۔ جی ہاں! آپ اس وقت سرا جاکر آرام فرمائیں۔
خلیفہ عاضد:۔ اچھا تم نہیں مانتے، تو یہی سہی، میں حرم سرا میں جاکر آرام کر
تم شریف جلیس کو اپنے خیالات سے مطلع کر کے وہیں بھیج دو۔!
ابوالحسن:۔ بہت خوب، میں یہاں سے سیدھا وہیں جاتا ہوں ——
مجھے اُمید ہے میری تجاویز سے آپ کی طبیعت کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا ——
خلیفہ نے سر کی جنبش سے ان خیالات پر اظہار پسندیدگی کیا ——
حرم سرا چلا گیا ——!

عاضد کی بہن

عاضد کی حرم سرا بجائے خود، ایک بہت بڑا قصر تھا، لیکن قصر طلائی سے ایک سرنگ کا راستہ بھی تھا، جو سیدھا حرم سرا تک جاتا تھا، حرم سرا کے دروازے پر، خواجہ سرا، ننگی تلوار ہاتھ میں لئے پہرہ دیا کرتا تھا۔ اور بہت سے مسلح خواجہ سرا اشارہ کے منتظر کھڑے رہتے تھے ان خواجہ سراؤں کے سردار کو مؤتمن الخلافہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، خلیفہ اسی سرنگ کے راستے سے حرم سرا میں پہنچا، وہ ایک پالکی پر متمکن تھا، غلاموں نے جب اس کے راحت کدے کی طرف رخ کیا، تو اس نے اشارہ سے منع کیا، اور ہدایت کی کہ پالکی سیدۃ الملک کے ایوان کی طرف جائے

سیدۃ الملک خلیفہ کی بہن تھی، وہ اگرچہ ایک عورت تھی، لیکن نہایت ذکی، ذہین عقل و فراست کی پتلی، معاملات سلطنت اس کی نگاہ میں رہتے تھے، واقعات و حالات پر نہایت، تدبر اور مآل اندیشی کے ساتھ ساتھ رائے قائم کرتی تھی، خلیفہ اس کی شخصیت سے بہت متاثر تھا، اور اس کی اصابت رائے کا حد درجہ مداح اور قدر شناس تھا، اکثر جب اس کی طبیعت گھبراتی، خیالاتِ پریشان کا ہجوم ہوتا یا کوئی اضطراب انگیز واقعہ رونما ہوتا، وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ سیدھا بہن کے پاس جاتا، اس کی محبت بھری باتیں اس کی پریشانی کو کم کر دیتیں، اور وہ اپنے اندر طمانیت اور سکون کی کار فرمائی محسوس کرنے لگتا اس وقت بھی اس کی طبیعت مضمحل اور افسردہ تھی۔ لہذا یہی جی میں آیا کہ سیدۃ الملک کے پاس چلیں اور اس کی باتوں سے سکون اور اطمینان کی چھنی ہوئی متاع حاصل کریں ۔۔۔

عاضد کا اشارہ پاتے ہی، پالکی سیدۃ الملک کے ایوان کی طرف موڑ دی گئی، یہ حصہ

اگرچہ حرم سرا کے اندر تھا، لیکن محل کے باقی حصوں سے الگ تھلگ، یہ ایوان بھی اپنی ز
تجمل کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا: سیدۃ الملک کو جب عاضد کی تشریف آو
حال معلوم ہوا، تو وہ پیشوائی کے لئے دروازے تک آئی، اور عاضد کو اپنے ساتھ اندر لے
نے ایک خوبصورت اور سجے ہوئے کمرے میں لے جا کر مسند کے صدر میں اسے بٹھایا
بھی پاس ہی بیٹھ گئی اور سلسلۂ سخن آغاز کرتے ہوئے اُس نے کہا۔

سیدۃ الملک: میرے بھائی آپ کا کیا حال ہے؟ چہرہ کچھ اُترا ہوا دیکھ رہی ہوں خیر
خلیفہ عاضد: ہاں اچھا ہوں، ذرا طبیعت کسلمند سی ہے، ادھر آ گیا۔
سیدۃ الملک: میں آپ پر قربان، کوئی اور بات بھی ضرور ہے
خلیفہ عاضد: سر میں درد ہے اعضا شکنی محسوس ہو رہی ہے غالباً خاصا تیز بخ
ہے ۔۔ غلاموں اور خادموں کو باہر بھیج دو، ہجوم سے وحشت ہوتی ہے، تمہارے دامن میں
سکون اور اطمینان کی دولت ہمیشہ سے ملتی آئی ہے اسوقت بھی اسی لئے آیا ہوں
سے کچھ باتیں کر کے ذرا جی ہلکا کر لوں۔!

سیدۃ الملک کا اشارہ پا کر تمام غلام اور خادم کمرے سے باہر نکل گئے، اب
خلیفہ رہ گیا، یا خود سیدۃ الملک!

سیدۃ الملک غضب کی حسین و جمیل اور ساتھ ہی ساتھ سراپا اخلاق و تپاک شخ
کی مالک تھی، کشیدہ قامت، صبیح رنگ، زریں بال، اور عقاب کی سی تیز نگاہ، اس کی نگا
میں بلا کی تاثیر تھی۔ کسی کی مجال نہیں تھی، کہ آنکھ چار کر سکتا، اور جس کی آنکھ چار ہوتی تھی، وہ
اس طرح مرعوب و متاثر ہوتا تھا۔ کہ ناممکن تھا، پھر سر اٹھا سکے، اس کے حسن میں وقار تھا، دبد
ہیبت تھی شکوہ شہر یاری تھا، بڑے بڑے بہادر اس کے سامنے آ کر مرعوب اور دہشت

ہو جاتے تھے۔ خلیفہ عاضد سے وہ تین سال بڑی تھی۔ اور اب تک زندگی کی ۲۵ بہاریں دیکھ چکی تھی۔

غلاموں اور خادموں کے چلے جانے کے بعد سیدۃ الملک کھسک کر بھائی کے اور قریب آ کر بیٹھ گئی، اس نے شفقت اور محبت کے ساتھ پوچھا:۔

سیدۃ الملک:۔ اب تو سب چلے گئے، بتاؤ، کیا بات ہے؟ تمہارا چہرہ اترا ہوا کیوں ہے؟ کوئی خاص بات؟

خلیفہ عاضد:۔ طبیعت خراب ہے!

سیدۃ الملک:۔ کیا خراب ہے؟ عاضد کی بیماری کے معنے یہ ہیں کہ سارا ملک بیمار ہے، ساری قوم علیل ہے، مصر کا ہر فرد دکھی ہے۔

عاضد نے اپنا سر بہن کے شانے پر رکھا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

خلیفہ عاضد:۔ بظاہر تو بخار سے پھنکا جا رہا ہوں لیکن اصل مرض قلب کی سوزش ہے دل کا درد ہے، بخار اچھا ہو سکتا ہے لیکن اس مرض کے اچھے ہونے کی کوئی صورت نہیں، یہ شاید جان ہی لے کر ٹلے گا۔

سیدۃ الملک:۔ (گھبرا کر) خدا نہ کرے کیوں ایسی باتیں منہ سے نکالتے ہو، تم نے ابھی دنیا کا دیکھا ہی کیا ہے۔۔؟

خلیفہ عاضد:۔ نہیں یہ نہ کہئے۔۔۔ بہت کچھ دیکھ لیا اور زیادہ دیکھنے کی ہوس بھی نہیں ہے، میں تو متمنی ہوں کہ موت آ جائے اور زندگی کے اس جنجال سے نجات ملے۔

سیدۃ الملک:۔ نہیں (نبض دیکھ کر) ہاں بخار ہے، ابھی اچھا ہو جائے گا۔ میں شاہی طبیب کو بلواتی ہوں۔

خلیفہ عاضد:۔ نہیں بہن، میں اس بخار کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا، یہ ابھی نہیں تو صبح تک خود بخود دور ہو جائے گا۔ ہاں اگر میری سوزشِ قلب کا، میرے درد دل کا، مداوا کوئی کر سکتا ہے تو اسے ضرور بلاؤ ___ !

سیدۃ الملک:۔ (خلیفہ کے اصل مطلب کو نہ سمجھتے ہوئے) تم کیوں اتنے پریشان ہو، اول تو شاہی طبیب خود اتنا کامل اور حاذق ہے کہ ہر درد کا مداوا کر سکتا ہے لیکن اگر وہ کامیاب نہ ہوا تو میں خود باہر نکلوں گی۔ اور دنیا کے جس گوشہ میں بھی طبیب مل سکے گا، اُسے لا کر اپنے پیارے بھائی کا علاج کروں گی ۔!

خلیفہ عاضد:۔ (ذرا خفگی کے لہجہ میں) آہ ___ تم اتنی ذہین وطباع ہو، ہوشیار اور سمجھدار ہو، عاقبت بین، اور مآل اندیش ہو، لیکن مجھ بدقسمت کے معاملہ میں تم بھی بے وقوف بن گئیں میں اپنی ساری کہانی کہہ گیا۔ سارا دکھڑا رو گیا، سارا ماجرا سنا گیا لیکن تم نہ سمجھیں ؟ ___ بہن میرا علاج وہ طبیب نہیں کر سکتے، جو دواؤں پہ بھروسہ کرتے ہیں میرا علاج صرف اسکے ہاتھ میں ہے جو صاحب تدبیر ہو، جو مجھے مشکلات کے بھنور سے نکال سکے۔ جو میری ذہنی کوفت دور کر سکے۔ جو میری ذلّت اور ادبار کے دور کو ختم کر دے جو میرے اقتدار شاہی اور شکوہ شہریاری کو واپس دلا دے، جو میری حکومت مجھے پھر سے دے دے ___ میں اب ایک قیدی ہوں، محکوم ہوں، بے بس ہوں، لیکن اس زندگی سے نفرت کرتا ہوں، یہ زندگی نہیں چاہیئے مجھے ___ کچھ اس کا مداوا سوچ سکتی ہو؟ کوئی ایسا طبیب بھی تمہاری نظر میں ہے ___ ؟

سیدۃ الملک:۔ مسکرانے لگی۔ اُس نے محبت بھرے انداز میں بھائی کے سر کو سہلاتے ہوئے کہا:۔

سیدۃ الملک: میں سمجھ گئی ۔۔ لیکن اتنے ہراساں کیوں ہوتے ہو؟ وہ دن انشاءاللہ جلد آئے گا جب ادبار ادر نکبت کا یہ دَور ختم ہوگا، اور عروج و کامرانی کا دَور شروع ہوگا۔

خلیفہ عاضد: ہاں

دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے!

—— کیا کہنے ہیں، تسلی اور دل دہی کی یہ باتیں سنتے سنتے کان پک گئے، اب ان باتوں سے دل کی بے چینی اور بڑھ جاتی ہے کم نہیں ہوتی!

سیدۃ الملک: نہیں اس قدر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔

خلیفہ عاضد: یہی ابھی برادر محترم شریف ابوالحسن بھی فرما رہے تھے، بلکہ وہ تو یہاں تک کہہ رہے تھے کہ جس طرح بھی ہوگا، وہ میرے راستہ کے پتھر ہٹائیں گے، اور میرا مقصد حاصل کرکے دم لیں گے۔

ابوالحسن کا نام سُن کر سیدۃ الملک کے چہرے پر ایک عجیب کرب آمیز کیفیت طاری ہوئی، لیکن، وہ ایک ذہین اور عاقل خاتون تھی، بہت جلد اپنی اس کیفیت پر غالب آگئی، خلیفہ عاضد محسوس بھی نہ کرسکا کہ ابوالحسن کے نام نے سیدۃ الملک پر کیا کیفیت طاری کردی، سیدۃ الملک نے اپنی کیفیت پر غالب آکر پوچھا:

سیدۃ الملک: ابوالحسن نے کیا وعدہ کیا ہے؟ کیا یقین دلایا ہے، کہتے کیوں نہیں؟

خلیفہ عاضد: اس نے یقین دلایا ہے کہ میری مشکلات ختم ہوجائیں گی!

سیدۃ الملک: اُس کا ارادہ کیا ہے؟ —— کچھ بتایا بھی اُس نے ——؟

خلیفہ عاضد: شاید وہ بہت کچھ کہتا، لیکن میری طبیعت کی ناسازی کے باعث وہ اپنی اسکیم نہ بتا سکا۔ ہاں اُس نے یہ کہا ہے کہ اپنی تجویز سے شریف جلیس کو مطلع کرے گا۔

اور وہ اگر ساری باتیں میرے گوش گزار کر دے گا۔! شاید وہ اب اتنا ہی ہوگا۔

سیدۃ الملک: کیا ابوالحسن کو تم سچا اور معقول آدمی سمجھتے ہو؟

خلیفہ عاضد: ہاں سمجھتا ہوں ـــ تمھیں اعتراض ہے کچھ؟

سیدۃ الملک: تم اپنی رائے بتاؤ۔!

خلیفہ عاضد: میری رائے تو اس کے بارے میں بہت اچھی ہے، وہ مخلص انسا
ہے، ہمارا برادر اور دم ساز ہے، بلکہ عزیز اور رشتہ دار ہے، اگر وہ مفید مطلب نہیں ثا
ہو سکتا تو پھر کیا آسمان سے فرشتے آئیں گے۔ کار برآری کے لئے؟ ذرا سوچو تو سہی!

سیدۃ الملک نے منہ سے تو کچھ نہ کہا، صرف گردن ہلا کر خاموش ہو گئی۔ لیکن چ
کا اُتار چڑھاؤ بتا رہا تھا۔ کہ وہ عاضد کی اس رائے سے بالکل متفق نہیں ہے بلکہ ابوالحس
کو پرلے درجہ کا منافق، خود غرض، جاہ پرست، اور خطرناک انسان سمجھ رہی ہے

خلیفہ کی طبیعت اب ہلکی ہو چکی تھی، وہ سنبھل کر بیٹھ گیا، اس نے پیار سے بہن ک
ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا،

خلیفہ عاضد: تم تو نہ جانے کیوں بیچارے ابوالحسن سے پرخاش رکھتی ہو آج س
نہیں، ہمیشہ سے، حالانکہ میں نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی کم از کم اس کا خیال تو کر
وہ ہمارا چچازاد بھائی ہے، خون کا رشتہ بہرحال بڑا قوی ہوتا ہے۔

سیدۃ الملک: تو میں تمھیں منع تو نہیں کرتی، یہ تو اپنی اپنی رائے ہے میں ایک
آدمی کو اچھا خیال نہیں کرتی، تم اسے اچھا سمجھتے ہو، یہ تو مستقبل ہی بتا سکتا ہے، ہم
میں سے کس کی رائے صحیح تھی۔!

خلیفہ عاضد: اچھا یہ تو بتاؤ تم ابوالحسن سے کیوں ناراض ہو؟ کیوں اس کے بارے میں

اتنی زیادہ بدگمان رہتی ہو؟ کیا خرابی اور خامی ہے اس میں؟ — حالاں کہ وہ ہمیشہ تمہارا ذکر محبت کے ساتھ کرتا ہے، وہ تم سے بہت زیادہ مانوس ہے میرا خیال ہے تمہاری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے، بڑی سے بڑی حتیٰ کہ جان تک کی قربانی سے دریغ نہیں کر سکتا، تعجب ہے ایسے اچھے اور قابلِ اعتماد شخص کے ذکر سے تم چڑتی ہو، خفا ہوتی ہو، بگڑ جاتی ہو، اُسے تمہارا یہ حال معلوم ہو تو کتنا صدمہ ہو اُسے!

سیدۃ الملک اب تک اپنی برہمی اور تنغض پر غالب آنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اب وہ ضبط نہ کر سکی۔ اس نے بڑے تلخ لہجہ میں کہا:۔

سیدۃ الملک:۔ خدا ابوالحسن کو جتنا وہ اچھا ہے اس سے زیادہ اچھا بنا دے، لیکن اُسے میری خوشنودی سے کیا تعلق؟ آئندہ میں ایسی باتیں نہیں سننا چاہتی —!

خلیفہ عاضد:۔ لیکن وہ ہمارا چچا زاد بھائی بھی تو ہے آخر اپنا خون ہے عزیز ہے

سیدۃ الملک:۔ (خشمناک لہجہ میں) غلط، جھوٹ، کون کہتا ہے، نسب کے اعتبار سے وہ ہمارا ابنِ عم ہے؟ وہ جھوٹا ہے، اس نے اپنا نسب خود ایجاد کر لیا ہے —— خیر ان باتوں سے کیا سروکار، چھوڑو اس قصہ کو میرے سامنے آئندہ اس کا ذکر نہ آنا چاہیئے —!

خلیفہ عاضد:۔ اتنا بڑا ظلم، اس غریب پر؟ ——

خلیفہ عاضد کی بات ابھی پوری نہ ہوئی تھی، کہ ایک غلام آیا اور دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ سیدۃ الملک نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا، اور پوچھا:۔

"کیا ہے؟ — تو کیوں آیا ہے؟"

غلام نے جواب دیا:۔

"شریف جلیس دروازے پہ اذن باریابی کے منتظر ہیں! لیکن بہاؤالدین قراقوش جنہیں
صلاح الدین نے پرانے شخص کو ہلاک کر دینے کے بعد موتمن الخلافہ بنایا ہے روک رہے ہیں۔
یہ سن کر خلیفہ کو غصہ آ گیا، اس نے گرج کر کہا۔
"شریف جلیس کو آنے دو، بہاؤالدین قراقوش سے کہو اُسے نہ روکے ہم نے بلایا ہے اُسے
حکم کی تعمیل ہوئی اور شریف جلیس آ گیا، یہ بھی خلیفہ کے رشتہ داروں میں تھا
جیسے شریف ابوالحسن، سیدۃ الملک اس سے پردہ نہیں کرتی تھی، اس نے دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھ
لیا اور چپ چاپ بیٹھ گئی۔ خلیفہ نے شریف جلیس کا خیر مقدم کرتے ہوئے دریافت کیا۔
تمہیں ابوالحسن نے بھیجا ہے۔؟"
شریف جلیس نے اثبات میں جواب دیا۔
خلیفہ عاضد: کیا باتیں کیں اس نے تم سے؟
شریف جلیس سیدۃ الملک کی طرف دیکھنے لگا، گویا دریافت کر رہا تھا کہ اس کے
سامنے کہے یا نہ کہے، سیدۃ الملک اُٹھ کھڑی ہوئی۔
سیدۃ الملک: میں جاتی ہوں، تم اطمینان سے باتیں کرو۔
خلیفہ عاضد نے بہن کا دامن پکڑ لیا،
خلیفہ عاضد: بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہیں! تم بیٹھو، شریف جلیس سے مخاطب ہو کر
جو کچھ کہنا چاہتے ہو کیا تمہارا خیال ہے ہم اپنی عزیز از جان بہن سے بھی پردہ رکھتے ہیں، ہماری
کوئی بات اس سے چھپی نہیں ہے وہ ہماری بہن نہیں ہمزاد و مساز، رفیق اور ہمدرد بھی ہے — ہاں!
شریف جلیس: جو باتیں ابوالحسن نے کہیں، بڑی عجیب اور بے انتہا نتیجہ خیز ہیں۔
خلیفہ عاضد: کہو — اجازت ہے۔!

جنّتِ ارضی!

"اگرچہ خلیفہ نے اجازت دے دی تھی کہ شریف جلیس جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہہ ڈالے لیکن شریف جلیس بہت چوکنا ہو رہا تھا، نہ کہتے بنتی تھی، نہ خاموش رہتے۔

گوئم مشکل وگرنہ گوئم مشکل

والا معاملہ تھا، خلیفہ عاضد نے اس کی اس کیفیت کو بھانپ لیا اور کہا

خلیفہ عاضد:۔ تم کیا سوچ رہے ہو؟ کیوں خاموش ہو؟ جو کچھ کہنے آئے ہو تو کہتے کیوں نہیں؟۔۔۔ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں، شریف ابوالحسن نے کیا پیام بھیجا ہے؟

شریف جلیس خلیفہ کے ان تحکمانہ الفاظ سے گھبرا گیا، اُس نے عرض کیا

شریف جلیس:۔ مولانا الامیر! میں وہی عرض کر رہا ہوں۔۔۔ بات یہ ہے کہ شریف ابوالحسن اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جب تک صلاح الدین راستہ کے پتھر کی طرح موجود ہے، اس وقت تک کچھ نہیں ہو سکتا، کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی، حصولِ اقتدار و اختیار کی ساری تمنائیں بیکار محض ہیں

یہ باتیں سُن کر خلیفہ عاضد بے اختیار ہنس پڑا، اس نے کہا

خلیفہ عاضد:۔ یہ تو تم نے کوئی نئی بات نہیں کہی، اسے کون نہیں جانتا کہ ہمارے اختیارات کا غاصب صرف صلاح الدین ہے!

شریف جلیس:۔ اور شریف ابوالحسن اسے راستہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

خلیفہ عاضد:۔ (دہشت زدہ ہو کر) تمھارا کیا خیال ہے؟ یعنی ابوالحسن کیا کرنا چاہتا ہے؟

شریف جلیس:۔ یوسف صلاح الدین کا قتل۔۔۔ جب تک وہ قتل نہیں کر دیا جاتا،

ہم اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے ۔!

خلیفہ عاضد :۔ (کچھ سوچتے ہوئے) اچھا تو یہ بات ہے؟

شریف جلیس :۔ امیرالمومنین یہی بات ہے ۔۔۔ غور فرمایئے سارے مفاسد اور فتن اسی صلاح الدین کے باعث پروان چڑھ رہے ہیں جب یہ ہمارے راستہ سے ہٹ جائیگا حکومت پھر ہماری ہوجائیگی ۔ اقتدار و اختیار پھر ہمارے ہاتھ میں آجائے گا ۔

خلیفہ عاضد :۔ اچھا مان لیتے ہیں، بات معقول ہے لیکن کیا سارے ملک مصر میں کوئی ایسا جری اور بہادر شخص ہے جو صلاح الدین پر ہاتھ اُٹھا سکے، جو اس کے جسم و جان کا رشتہ منقطع کر سکے جس کا ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ سکے ؟ ۔۔۔ نہیں یہ ناممکن بات ہے یہ ان ہونی بات ہے ایسا نہیں ہو سکتا ۔ ابوالحسن سے کہو خواب دیکھنا چھوڑ دے ۔۔۔ خطرناک لیکن بے حقیقت خواب ۔۔!

شریف جلیس :۔ مولانا الامیر، اس دنیا میں کوئی بات بھی ناممکن نہیں ۔۔ سب کچھ ہو سکتا ہے ۔ صرف عزم و ہمت، اور قوتِ فیصلہ کی ضرورت ہے ۔۔!

خلیفہ عاضد :۔ ہاں یہ سچ ہے لیکن وہ عزم، وہ ہمت، وہ قوتِ فیصلہ کس کے پاس ہے اُسکا نام لو

شریف جلیس :۔ شریف ابوالحسن کے پاس ۔۔۔ صرف آپکے اشارۂ چشم کی دیر ہے

خلیفہ عاضد :۔ بڑی عجیب بات ہے، کیوں کر ہم اعتبار کرلیں کہ اس مہم کو وہ کامیابی کے ساتھ انجام دے لے گا ۔!

شریف جلیس :۔ اجازت دے کر تو دیکھئے، اگر نہ انجام دے سکا، تو خود اپنی جان سے ہاتھ دھوئے گا، ہمارا کیا بگاڑے گا ۔

خلیفہ عاضد :۔ تم نہیں جانتے، اور ابوالحسن بھی نہیں جانتا، صلاح الدین ایک شخص

ہیں ہے، ایک فرد، ایک ذات نہیں ہے وہ بہت بڑا، بے انتہا مستحکم اور ناقابل تسخیر قلعہ ہے اس قلعہ کو سرکرنا، اُسے فتح کرنا، اُسے تسخیر کرلینا قطعاً ناممکن ہے قدم قدم پر حصار ہیں گھاٹیاں ہیں دشواریاں ہیں، ان سب سے گزرنا، ان سب کو پار کرنا، ان سب کو فتح کرلینا ناممکن ہے قوت بشری کے امکان سے خارج ہے۔!

شریف جلیس:۔ لیکن میرے آقا ایک غلام، ایک جاں نثار ایک خادم اگر اپنے آقا اور مولا پر تصدق ہوجانا چاہتا ہے تو اُسے اجازت دینے میں آپ تامّل کیوں کرتے ہیں۔؟

خلیفہ عاضد:۔ تامل کا کوئی سوال نہیں لیکن اجازت دینے سے پہلے ہم مطمئن ہونا چاہتے ہیں، ہم جاننا چاہتے ہیں کس طرح وہ اس انجام دے گا؟ کہیں ایسا تو نہ ہو گا وہ خود بھی ڈوبے۔ اور ہمیں بھی لے ڈوبے۔!

شریف جلیس:۔ نہیں امیرالمومنین ایسا نہیں ہوسکتا — آپ نے بجا فرمایا ہے۔ صلاح الدین ایک ناقابل تسخیر قلعہ ہے، لیکن یہ بھی غلط نہیں کہ دنیا نے بڑے سے بڑے مستحکم ترین قلعوں کو سرنگوں ہوتے دیکھا ہے اس قلعہ کا بھی یہی حشر ہو گا۔!

خلیفہ عاضد:۔ خدا کرے ایسا ہی ہو لیکن ہمیں معلوم تو ہونا چاہیئے، کہ ان کا عمل کیا ہے؟ کیوں کر یہ بیل منڈھے چڑھے گی۔؟

شریف جلیس:۔ ابوالحسن کی اسکیم یہ ہے کہ صلاح الدین کو اس طرح قتل کیا جائے کہ کسی طرح قاتل کا سراغ ہی نہ لگ سکے، اس کا پتہ نہ چلایا جاسکے، وہ گرفتار ہی نہ ہوسکے،

خلیفہ عاضد:۔ (متحیر ہو کر) تم نے ایک دوسری حیرت انگیز بات کہہ دی کیا یہ ممکن ہے کوئی شخص صلاح الدین کو قتل کرے اور گرفتار نہ ہوسکے۔!

شریف جلیس:۔ بے شک ممکن ہے امیرالمومنین:۔ بڑی آسانی سے ممکن ہے۔

خلیفہ عاضد:۔ کیوں کر؟ ۔۔۔۔ ہمیں سمجھاؤ یقین دلاؤ ہمیں۔

شریف جلیس:۔ ابوالحسن یہ کام، فرقہ، یا طبقہ کے کسی شخص سے لے گا۔

خلیفہ عاضد:۔ فرقہ یا طبقہ کا نام سن کر چونک پڑا۔

خلیفہ عاضد:۔ فرقہ یا طبقہ؟ ۔۔۔۔ یعنی فرقہ اسماعیلہ ۔۔۔۔؟

شریف جلیس:۔ مولانا امیر الامیر وہی۔ صرف اسی فرقہ کا کوئی جاں بازیہ کا[م]
انجام دے سکتا ہے اور کوئی نہیں۔

خلیفہ عاضد:۔ کیا ایسا ہو سکیگا؟ کوئی ۔۔۔ اس کام کو انجام دینے پر آمادہ ہو جائے گا[؟]

شریف جلیس:۔ کیوں نہ ہوگا۔ مولانا الامیر، آخر یہ فرقہ عقیدت مند کس کا ہے؟ کی[ا]
امیر المومنین کے علاوہ کسی اور کا؟ اس کا ہر فرد کس کی حرمت کے لئے کٹنے اور مر مٹنے کا [دم بھر]
کرتا ہے؟ کیا خلافت فاطمی کے خاندان کے علاوہ کسی اور کا؟ یہ فرقہ نکلا کہاں سے ہے[؟]
کیا ہمارے خاندان کے علاوہ کہیں اور سے؟

خلیفہ عاضد:۔ (عذر کرتے ہوئے) ہاں، ہمارے خیالات بھی یہی ہیں کہ یہ [فرقہ]
ہمارا دوست، معین اور مددگار ہے

شریف جلیس:۔ مولانا الامیر کی اطلاع بالکل صحیح ہے ۔۔۔ دراصل یہ فرقہ ہما[رے]
ہی متبعین کی ایک جماعت ہے، نہ ہم سے الگ ہے، نہ ہو سکتا ہے

خلیفہ عاضد:۔ ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ فرقہ، حصول مقاصد کے لئے قتل و غار[ت]
ہی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔!

شریف جلیس:۔ بجا ارشاد ہوا۔ مولانا الامیر ۔۔۔۔ یہی بات ہے۔

خلیفہ عاضد:۔ ہاں ۔۔۔ لیکن یہ فرقہ یکسر ہمارا طرف دار اور معین و مددگار

اس کے ماننے میں ہمیں شک ہے

شریف جلیس: کیوں میرے آقا؟ ـــ اس شک کی بنیاد؟ علت؟

خلیفہ عاضد: تم اس سے قبل بھی اس فرقہ کے بارے میں ہم سے کئی مرتبہ بات چیت کر چکے ہو!

شریف جلیس: جی ہاں ـــ مجھے یاد سب ہے ذرا ذرا۔

خلیفہ عاضد: کیا تم ہی نے ہمیں یہ نہیں بتایا تھا کہ اس فرقہ کے لوگوں نے خلیفہ آلامر یہ احکام اللہ کے وزیر اور سپہ سالار افواج سے مل کر تو قل کو قتل کر دیا تھا۔

خلیفہ عاضد: پھر کیا یہی لوگ نہیں تھے جنھوں نے ملک شاہ سلجوقی کے وزیر نظام الملک طوسی اور دوسرے مشہور لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے؟

شریف جلیس: یہ بھی ایک واقعہ ہے، حقیقت ہے کون انکار کر سکتا ہے اسکی واقفیت سے؟

خلیفہ عاضد: پھر ان پر بھروسہ کسطرح کیا جا سکتا ہے تلوار کی نوک اگر کبھی ہماری طرف مڑ گئی تو؟

شریف جلیس: نہیں مولانا الامیر ایسا نہیں ہو سکتا، یہ لوگ ان ہی لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو ہمارے راستہ میں ہمارے دین و مذہب کے ذریعہ روڑا بن کر سامنے آتے ہیں۔

خلیفہ عاضد: ہاں ـــ آج کل ان کا مرکز کہاں ہے؟ یہ لوگ کہاں، متوطن ہیں؟ ان کا سردار اور پیشوا کون ہے۔؟

شریف جلیس: مولانا الامیر! اس فرقہ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ حسن بن صباح کا پیرو ہے جو آپ کے جدامجد الحاکم بامر اللہ کے عہد میں گزرا ہے، اس فرقہ کو نمودار ہوئے تقریباً ڈیڑھ سو سال کی مدت گزر چکی ہے!

خلیفہ عاضد: ہم نے سمجھ لیا ـــ مگر اس کا مرکز؟

شریف جلیس: اس فرقہ کا بانی حسن بن صباح، قلعہ الموت میں اقامت گزیں تھا

جو قزوین میں واقع تھا، اس نے فدائیوں کی ایک جماعت تیار کی تھی، جو خفیہ مقامات میں رہتے تھے۔ اور اپنے پیشوا کا اشارہ پاتے ہی بڑی سے بڑی شخصیت کو ہلاک کرنے میں تامل نہیں کرتے تھے۔ اس طرح اپنی جان کو بھی اگر پھنس جاتے تھے، ہنسی خوشی دے دیتے تھے

خلیفہ عاضد:۔ یہ جرأت — یہ بے خوفی ان میں کیسے پیدا ہوئی —!

شریف جلیس:۔ بات یہ ہے مولانا الامیر کہ حسن بن صباح، جماعت میں داخل کرنے سے قبل ہر شخص کو بھنگ پلا کر بے ہوش کرتا تھا۔ پھر اسے اپنی بنائی ہوئی جنت میں پہنچا دیتا تھا جو ہر اعتبار سے جنت ارضی کہلانے کی مستحق تھی۔ اس جنت میں حور و غلمان، شراب اور دودھ اور شراب کی نہریں، ہر طرح کے پھل سب کچھ تھا۔ یہ حوریں اس شخص سے عہد لیتی تھیں کہ راہ حق میں اپنی جان قربان کرکے وہ جنت میں آئے، اور ہمیشہ ان کے پاس رہے، دنیا میں آنے کے بعد یہ زندگی اس کے لئے بوجھ بن جاتی تھی۔ اور وہ مرنے جان دینے اور جنت میں پہنچنے کے لئے سب کچھ کر گذرنے کو ہمہ وقت آمادہ رہتا تھا،

خلیفہ عاضد:۔ (مسکرا کر) وہ تو ہونا ہی چاہیئے —!

شریف جلیس:۔ ان فدائیوں نے بڑے حیرت انگیز کارنامے، اس جذبے سے مغلوب ہو کر انجام دے ڈالے ہیں۔ جو تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

خلیفہ عاضد:۔ آج کل ان لوگوں کا سردار اور پیشوا کون ہے؟

شریف جلیس:۔ اس وقت اس فرقہ کا سردار رشید الدین سنان ہے

خلیفہ عاضد:۔ اس کا مرکز اب کون سا مقام ہے کیا قلعہ الموت ہی؟

شریف جلیس:۔ نہیں امیر المومنین، سنان کا مرکز جبل السماق کا علاقہ ہے جو حلب میں واقع

خلیفہ عاضد:۔ بہت محفوظ اور مستحکم مقام ہے یہ؟

شریف جلیس:۔ جی بہت زیادہ — جبل السماق میں بہت سے قلعے ہیں، ایک سے ایک بڑھ کر مضبوط و مستحکم، اور ناقابلِ تسخیر! ——— ان ہی قلعوں میں ان فدائیوں اور ان کے سردار کی بود و باش ہے۔ یہ فدائی دھن کے پکے ہیں، ان کا حاکم سنان اگر حکم دے کہ پہاڑ سے ٹکرا جاؤ، تو یہ بے خوف و خطر اس سے ٹکرا جائیں گے۔ ان سے کہے سمندر میں کود پڑو تو یہ اس کی بلند و بالا اور مہیب و خوفناک موجوں سے ذرا بھی ہراساں نہیں ہوں گے۔ اور فوراً کود پڑیں گے۔ انھیں حکم دے، جلتی ہوئی بھڑکتی ہوئی آگ میں گھس جاؤ تو یہ یقین فرمائیے یہ گلزار سمجھ کر اس میں داخل ہو جائیں گے، جلیں گے، مریں گے، لیکن کیا مجال ہے جو مرتے مرتے ان پر زندگی کی محبت غالب ہو اور یہ بچنے کی کوشش کریں!

خلیفہ عاضد:۔ (حیران ہو کر) واقعی عجیب لوگ ہیں!

شریف جلیس:۔ ان کے عجیب و غریب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اس قدر کم تعداد ہونے کے باوجود آج حالت یہ ہے کہ بڑی بڑی حکومتیں ان کا نام سن کر لرزہ براندام ہو جاتی ہیں، بڑے، بڑے جیالے اور دلاور ان کا نام سن کر بچوں کی طرح لرز جاتے ہیں بڑے بڑے سپہ سالار اور من چلے سپاہی جب ان کا سنتے ہیں تو بید لرزاں کی طرح تھر تھر کانپنے لگتے ہیں

خلیفہ عاضد:۔ ہونا بھی یہی چاہیئے ——— اچھا تو اب سوال یہ ہے کہ ان کے سردار سنان کو ابوالحسن کس طرح اپنا ہم راز اور آلۂ کار بنائے گا۔؟

شریف جلیس مسکرانے لگا، پھر اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔

شریف جلیس:۔ سنان ابوالحسن کا بہت گہرا دوست ہے ——— سنان کے دل میں ابوالحسن کی اتنی عزت ہے کہ وہ اس کی بات کسی طرح نہیں ٹال سکتے: اس اعتماد پر تو انھوں نے اتنے بڑے اور خطرناک کام کا بیڑہ اٹھایا ہے۔!

خلیفہ عاضد:۔ پر راستے کی مشکلیں اور دشواریاں اتنی زیادہ ہیں کہ کسی فدائی کا بھی ان سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہی نظر آتا ہے ــــ!

شریف جلیس:۔ وہ کون سی دشواریاں ہیں، مولانا الامیر ــــ؟

خلیفہ عاضد:۔ سب سے بڑی دشواری تو یہ ہے کہ صلاح الدین تک پہنچنا ہی بڑا مرحلہ ہے، قدم قدم پر مسلّح محافظوں کی ٹکڑیاں ہیں جو ذرا سے شبہ پر آدمی کی جان لے لیتے ہیں ــــ جب قاتل صلاح الدین تک کسی طرح پہنچ نہ سکے گا تو وہ اسے قتل کیوں کر کرے گا؟

شریف جلیس:۔ یہ تو بہت معمولی سی بات ہے مولانا الامیر ــــ یہ فدائی صرف صاحب شمشیر ہی نہیں ہیں صاحب تدبر بھی ہیں۔ جیسا موقعہ دیکھتے ہیں، ویسا کرتے ہیں

خلیفہ عاضد:۔ صلاح الدین کے پاس پہنچنے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے بے انتہا غور کرنے کے بعد بھی یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی، تدبیر اگر چل سکتی ہے تو سامنے، لیکن جب سامنا نہ ہوا، تو تدبیر کیا چلے گی خاک؟

شریف جلیس:۔ امیر المومنین، یہ لوگ جہاں اس طرح کے حالات دیکھتے ہیں، وہاں سپاہی بن کر پہنچتے ہیں۔ اور ملازمت اختیار کر لیتے ہیں۔ خادم بن کر پہنچتے ہیں۔ اور اس وفا کے ساتھ، اس جاں نثاری کے ساتھ کے خدمات انجام دیتے ہیں، کہ کہنہ سال ملازم ان کے سامنے گرد پڑ جاتے ہیں، یہ بہت جلد معتمد بن جاتے ہیں اور اہم سے اہم کام بے تامل انہیں سونپ دیئے جاتے ہیں، پھر جب یہ اعتماد قائم کر چکتے ہیں تب ان کا خنجر میان سے باہر نکلتا ہے اور اپنا کام کر کے یہ غائب ہو جاتے ہیں جنت کی تمنا ان سے بڑے کام کرا لیتی ہے، جو بادی النظر میں اتنا دشوار ہوتا ہے کہ رستم بھی اسے نہیں انجام دے سکتا۔!

خلیفہ عاضد:۔ اور اگر پھر بھی یہ گرفتار ہو جائیں؟ پکڑ لئے جائیں؟ تب!

شریف حلبیس :۔ تب کیا؟ —— حیرت انگیز بہادری اور شجاعت سے ہنستے اور مسکراتے ہوئے اپنی جان دے دیتے ہیں —— جان دے کر جنت حاصل کر لینا بہت معمولی سودا ہے اور ایک فدائی اُس کے حاصل کرنے میں اپنا سب کچھ بے دریغ قربان کر سکتا ہے — قربان کر دیتا ہے اور فخر کرتا ہے کہ ہاں اُس نے ایک کارنامہ انجام دیا :۔

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم —

خلیفہ عاضد یک سر حیرت و استفہام بنا، شریف حلبیس کی دلچسپ اور لرزہ خیز باتیں سُن رہا تھا، اب اُس نے نظر اٹھا کر اپنی بہن سیدۃ الملک کی طرف دیکھا کہ اس کی کیا حالت ہے، ہماری باتوں سے اس نے کیا اثر لیا۔؟ لیکن وہ بالکل بے پرواہ اور غیر متعلق بنی دیوار کے نقش و نگار دیکھنے میں مصروف و منہمک تھی۔ گویا وہ سن ہی نہیں رہی۔ گویا وہ ان باتوں کی طرف ملتفت ہی نہیں، حالاں کہ واقعہ یہ نہیں تھا۔ بظاہر بالکل بے تعلق ہونے کے باوجود وہ سب کچھ سن رہی تھی۔ ایک ایک لفظ پر اس کی توجہ تھی، اس کی یہ حالت دیکھ کر خلیفہ ضبط نہ کر سکا۔ اُس نے بہن کو مخاطب کر کے کہا :۔

خلیفہ عاضد :۔ تم نے سنا شریف حلبیس نے اس وقت کیسی عجیب و غریب باتیں کہیں !

لیکن سیدۃ الملک نے کوئی جواب نہیں دیا، اس نے اپنے مصنوعی انہاک کو قائم رکھا۔ بہن کو مخاطب نہ پاکر، خلیفہ نے شریف حلبیس سے کہا

خلیفہ عاضد :۔ اچھا تو ہم ابوالحسن کو اجازت دیتے ہیں۔ کہ وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے، خدا کے بھروسہ پر کر گزرے،

شریف حلبیس :۔ وہ تو صرف اشارہ کا منتظر تھا اب فوراً اس کام میں لگ جائیگا

خلیفہ عاضد :۔ کب سے یہ کام شروع کر دے گا؟

شریف جلبیس :۔ جب سے حکم ہو، لیکن ـــــ یہ کہہ کر جلبیس خاموش ہو گیا، خل
نے محسوس کیا وہ کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن ہمت نہیں پڑتی، خلیفہ نے اس کی ہمت بندھائی
خلیفہ عاضد :۔ لیکن کے بعد تم رک کیوں گئے ؟ کیا کوئی شرط ہے ؟
شریف جلبیس :۔ امیر المومنین کی ذہانت اور ذکاوت کا جواب نہیں بیشک یہی با
خلیفہ عاضد :۔ تو کہتے کیوں نہیں، کیا شرط کرنا چاہتا ہے وہ ؟ ـ میں سمجھ گیا
وہ میری بہن سیدۃ الملک سے شادی کی شرط لگانی چاہتا ہے ـــــــــ
یہی بات ہے نا ؟
یہ الفاظ سن کر سیدۃ الملک چونک پڑی، اس پر یہی، اور غصہ کی کیفیت
ہو گئی۔ لیکن وہ ضبط سے کام لینے کی خوگر تھی چپ رہی، اور بدستور اپنے مصنوعی
میں مستغرق رہی اس سوال پر شریف جلبیس بھی گھبرا گیا اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے
شریف جلبیس :۔ نہیں ابوالحسن نے مجھ سے سیدۃ الملک سے شادی کے بارے میں تو
خلیفہ عاضد :۔ پھر کیا شرط ہے اس کی ؟
شریف جلبیس :۔ مولانا الامیر سے بڑھ کر کون اس حقیقت کا شناسا ہو سکتا
کہ ابوالحسن والاحسب اور والانسب فرد ہیں ۔
خلیفہ عاضد :۔ ابوالحسن ہمارا برادر عم زاد ہے جو اس کا نسب ہے وہی ہما
جو اس کا حسب ہے وہی ہمارا ہے ہم بُرے ہیں تو وہ بھی بُرا ہے ہم اچھے ہیں تو وہ بھی
شریف جلبیس :۔ بے شک بے شک، اصل بات یہی ہے
خلیفہ عاضد :۔ لیکن حسب نسب کی بحث کیوں چل پڑی ؟ ـ اسوقت اسکا کیا
شریف جلبیس :۔ (ڈاڑھی کھجاتے ہوئے) جی عرض کرنے کا مطلب

کہ ابوالحسن ولی عہد ——

قبل اس کے شریف جلبیس کچھ اور کہتا سیدۃ الملک بول پڑی ؛

سیدۃ الملک :۔ میں سمجھ گئی ابوالحسن ولیعہد بننے کی شرط لگانا چاہتا ہے وہ امیرالمومنین کے بعد — خدا انھیں ہمیشہ سلامت رکھے — حکومت کرنا چاہتا ہے ۔ اچھا تو یہ شرط ہے ہمارے برادرِ عم زاد ابوالحسن کی ؟ خوب !

سیدۃ الملک کی طنزیہ باتیں سنکر خلیفہ عاضد کے مزاج میں بھی ابوالحسن کی طرف سے تکدر پیدا ہو گیا اور خود شریف جلبیس کے لئے بات بنانا مشکل ہو گئی ، پھر بھی اُس نے ضبط —— کرتے ہوئے کہا ۔

شریف جلبیس :۔ سچ پوچھئے تو یہ مطالبہ واقعی از قسم جنون ہے

سیدۃ الملک :۔ پھر یہ بات کہتے تمھیں شرم نہ آئی ؟ —

شریف جلبیس :۔ جی بات تو یہی ہے کہ اُس کی نامعقولیت میں شبہ نہیں لیکن میں نے محض اس لئے کہہ دیا کہ اگر اُس کے ذریعہ سے اتنا بڑا کام انجام پا جائے تو اس کی دل دہی کے لئے یہ شرط مان لی جائے تو مضائقہ نہیں ——

سیدۃ الملک :۔ کیوں مضائقہ نہیں —؟

شریف جلبیس :۔ اس لئے کہ امیرالمومنین ابھی بالکل نوجوان ہیں اور ابوالحسن ادھیڑ ہو چکا ہے ، ظاہر بات ہے وہ امیرالمومنین کی زندگی ہی میں مر جائے گا ۔ پھر اگر وہ ایک اَن ہونی بات کے لئے بضد ہے تو کیا مضائقہ ہے اگر وہ مان لی جائے — ؛

خلیفہ عاضد :۔ کیا ابوالحسن کی شرط یہ ہے کہ وہ میری زندگی میں میرا ولی عہد رہے اور جب میں مر جاؤں تو وہ خلیفہ بنے ۔

شریف جلبیس :۔ خدا امیر المومنین کو عمرِ نوح عطا فرمائے اور تکمیل مقاصد کے بعد ابو
کو فوراً اٹھالے، بات صرف یہ ہے کہ وہ ولیعہدی کا اعزاز حاصل کرنا چاہتا ہے ۔ صرف
اعزاز، کیونکہ کھلی ہوئی بات ہے اُسے امیر المومنین کی زندگی ہی میں مرنا اور اس سے رخصت ہونا

خلیفہ نے شریف جلبیس کی یہ باتیں سُن کر سر جھکا لیا، بڑی دیر تک غور و فکر میں
مستغرق رہنے کے بعد اُس نے کہا

خلیفہ عاضد :۔ اچھا یہ تو بتاؤ، خود تمہاری رائے اس بارے میں کیا ہے ؟

شریف جلبیس اس سوال سے گھبرا گیا، پھر اس نے اپنے حواس مجتمع کر کے کہا۔
میری رائے تو یہ ہے کہ بہ شرط آپ منظور کر لیں، شرط یہ ہو کہ ابوالحسن کے بعد آپ
بیٹا الحامد اللہ ولی عہد ہو گا ـــــ اس طرح سانپ بھی مرجائے گا۔ اور لاٹھی بھی
نہیں ٹوٹے گی ـــــ اور پھر اس کردی (صلاح الدین) سے نجات پا کر ہم
سب کچھ کر سکتے ہیں۔

خلیفہ نے پھر سکوت اختیار کر لیا، کوئی جواب نہیں دیا، وہ مسئلہ کے
متعدد پہلوؤں پر غور کر رہا تھا ـــ؛

مُداخلت!

سیدۃ الملک نے خلیفہ عاضد اور شریف جلبیس کی باتوں میں اب تک کوئی حصہ نہیں لیا تھا، وہ اَن جان سنی بیٹھی تھی۔ لیکن سُن ہر بات رہی تھی، اگر وہ عاضد کو جلبیس کی باتوں سے غیر متاثر دیکھتی، تو ممکن تھا خاموش رہتی، لیکن اس نے محسوس کیا، عاضد جلبیس کی باتوں سے بہت زیادہ متاثر ہو چکا ہے اور اس تاثر کا لازمی نتیجہ یہ نکل کر رہے گا۔ کہ ابوالحسن کو عاضد ولیعہد بنالے۔ خود اس کا نکاح ابوالحسن کے ساتھ، اس کی مرضی کے بغیر کر دے اور صلاح الدین قتل ہو جائے وہ بڑی زیرک، معاملہ فہم اور دور اندیش تھی، یہ تینوں باتیں اسے دل سے ناپسند تھیں۔ اس لئے کہ ابوالحسن کو وہ نہایت دنی آدمی سمجھتی تھی، اس کی نظر میں مسند خلافت کی اس سے بڑھ کر کوئی توہین نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ وہ ولیعہد بنالیا جائے اسی طرح کسی قیمت پر اس بات کو بھی گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ اس کا نکاح ابوالحسن کے ساتھ کر دیا جائے اس معاملہ میں وہ اتنی سخت تھی کہ نرمی اور مداخلت کا سوال کا ہی پیدا ہوتا تھا۔ تیسری اور سب سے اہم بات یہ تھی۔ کہ وہ اسے بھی پسند نہیں کرتی تھی کہ صلاح الدین کو قتل کر دیا جائے، وہ کئی باتیں صلاح الدین کی ناپسند کرتی تھی، اس کے بہت سے اقدامات ایسے تھے جنھیں کسی طرح بھی گوارا کرنے پر وہ اپنے تئیں آمادہ نہیں کر سکتی تھی، لیکن باہمہ صلاح الدین یوں قتل ہو جائے یہ بھی اُسے گوارا نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ دیکھ رہی تھی۔ صلاح الدین نے عنانِ انتظام جب سے ہاتھ میں لی ہے، مصر کی کایا پلٹ گئی ہے۔ حالات بدل گئے ہیں۔ اور مصر پہلے سے زیادہ صحت ور اور تنومند ہو گیا ہے، ایسا آدمی اگر کچھ خامیاں بھی رکھتا ہو۔ تو وہ گورا ہونی

چاہئیں انہیں نظر انداز کرنا چاہیئے پھر وہ یہ بھی محسوس کر رہی تھی، کہ اقتدار ہاتھ میں آ
کے بعد، بہت ممکن ہے ابوالحسن صلاح الدین سے بدتر آدمی ثابت ہو، یہ سوچ کر اُس
بھائی سے تخاطب کرتے ہُوئے کہا۔

سیدۃ الملک:۔ تو تمھارا خیال یہ ہے کہ صلاح الدین قتل کر دیا جائے اور ا
جگہ ابوالحسن آجائے، ؟

خلیفہ عاضد:۔ نہیں بہن تم غلط سمجھیں میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ابوالحسن کو صلاح
بنادوں، صرف یہ ہے کہ اُسے ولیعہد تسلیم کر لوں اور میرے خیال میں، تو اس حد تک کوئی مضا

سیدۃ الملک:۔ اور اپنے بیٹے داؤد کے بارے میں آپ کا رویہ کیا ہوگا۔؟

خلیفہ عاضد:۔ وہی تو خلافت کا حقیقی ولیعہد اور ابوالحسن کے بعد وارث
خلافت ہوگا۔ کیا تمھیں شک ہے کچھ اس میں؛

سیدۃ الملک:۔ میں ایک بات دریافت کرنا چاہتی ہُوں۔ آخر ان ہمہ گیر
کے تم کیوں درپے ہو۔؟ ایک صلاح الدین سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لئے اتنے بے
اور لرزہ خیز گناہوں کا ارتکاب کیوں؟ اور سب سے اہم یہ بات کہ آخر اس نے کون سا
قصور کیا ہے جس کی پاداش میں اس کی گردن کاٹی جائے۔؟

خلیفہ عاضد:۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) صلاح الدین نے جو کچھ کیا ہے، اسے تم
نہیں جانتیں؟ سیدۃ الملک تم بھی نہیں جانتیں؟

سیدۃ الملک:۔ میں امیر المومنین کی زبان سے سننا چاہتی ہوں۔!

خلیفہ عاضد:۔ آہ۔ یہ کیسی حشر انگیز داستان چھیڑ دی تم نے ہے؟۔ کیا
صلاح الدین ہی نہیں ہے جو مصر کا حقیقی مالک بنا ہوا ہے، حکومت کے تمام شعبے اُس

ہاتھ میں ہیں۔ وہ سیاہ و سفید کا مالک ہے میری حیثیت صرف شاہ شطرنج کی رہ گئی ہے۔

سیدۃ الملک: صلاح الدین سے پہلے اقتدار حکومت، ارمنی اور ترک وزراء کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ اس کردی (صلاح الدین) سے کم اقتدار کے بھوکے نہ تھے، ان کے عہد میں بھی، امیر المومنین شاہِ شطرنج ہی تھے، وہ جو چاہتے تھے کرتے، سیاہ و سفید کے وہ بھی مالک تھے۔ اب صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں، ان دونوں میں حالتوں میں فرق کیا ہے؟

خلیفہ عاضد: تعجب ہے تمھیں وہ فرق نہیں نظر آتا، کیا تم نہیں جانتیں کہ صلاح الدین نے ملک کے قوانین تک بدل دیئے ہیں وہ ظالم اور سفاک بھی ہے خود میرا ادب و احترام تک اُس نے بالائے طاق رکھ دیا ہے کیا تم نے اسے محسوس نہیں کیا ہے ــــ؟

سیدۃ الملک: مجھے تو صلاح الدین میں کوئی عیب نظر نہیں آتا، مانتی ہوں، وہ ظالم ہے لیکن اُس نے ان ہی لوگوں پر ظلم کیا ہے جو خود اول درجہ کے ظالم تھے، جنھوں نے رعایا سے راحت و آسائش چھین لی تھی، وہ چند لوگوں پر اس لئے ظلم کرتا ہے کہ بہت سے لوگ ظلم سے نجات پا جائیں، اُس نے حکومت کے ارکان و اعیان کو یک سر بدل ڈالا، اسطرح ظلم و ستم کی جڑیں کاٹ دیں اس کے عہد میں رعایا کو کوئی تکلیف نہیں، ہاں جو لوگ رعایا کا خون چوستے تھے وہ بے شک تکلیف میں ہیں ــ!

خلیفہ عاضد: یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہے۔

سیدۃ الملک: دیکھئے امیر المومنین جذبات کی رو میں بہنے کے بجائے، واقعات پر واقعات کی حیثیت سے غور کیجئے ــ!

خلیفہ عاضد: تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ کہو بھی تو ــــــ!

سیدۃ الملک: میری رائے یہ ہے کہ جو لوگ صلاح الدین کے قتل میں آپ کو شریک

کرنا چاہتے ہیں وہ جاہ پرست ہیں، وہ حکومت اور اقتدار اور اختیار کے بھوکے ہیں او
صلاح الدین کو آپ کے لئے نہیں، خلافت فاطمی کے لئے نہیں، اپنے لئے صرف اپنے
قتل کرنا چاہتے ہیں تاکہ جو کچھ اُسے حاصل ہے انہیں حاصل ہو جائے! ـــــ اور اگر ہم اس
کام میں شریک ہوئے تو یہ بہت بڑی احسان فراموشی ہوگی ـــــ!

خلیفہ عاضد:۔ احسان فراموشی؟ ـــــ یعنی تمہارے خیال میں ہم صلاح الد
کے ممنونِ کرم ہیں؟ وہ ہمارا محسن ہے؟

سیدۃ الملک:۔ بے شک کیا حقیقت سے بھی انکار کیا جا سکتا ہے؟

خلیفہ عاضد:۔ وہ کیوں کر؟ کس طرح؟

سیدۃ الملک:۔ وہ دن یاد کیجئے جب آپ نے سلطان نورالدین زنگی سے مدد
مانگی تھی۔ اور وہ طریقہ بھی نہ بھولئے، جس طریقہ سے کام لے کر مدد طلب کی تھی

خلیفہ عاضد:۔ وہ دن یاد ہے لیکن کسی طریقہ کی طرف تم اشارہ کر رہی ہو ـــــ!

سیدۃ الملک:۔ آپ نے نورالدین زنگی کو جو خط امداد طلب کرنے کے سلسلہ
میں بھیجا تھا۔ اُس میں خاندان خلافت کی خواتین کے بال بھی رکھے تھے، اور لکھا تھا کہ حرم خلافت
کی یہ خواتین تم سے فریاد کرتی ہیں، ہمیں ارمنوں اور ترکوں کے ظلم سے بچاؤ۔ ذرا اپنا سر دکھاتے ہوئے
دیکھئے یہ میرا سر، یہاں کے بال اب تک ترشے ہوئے ہیں یہ وہی جگہ خالی ہے جہاں کے بال
نورالدین کو بھیجے گئے تھے۔ پھر کیا نورالدین نے ہماری فریاد نہیں سُنی؟ کیا اُس نے ہمیں ظلم و ستم سے
نجات نہیں دلائی۔ کیا اُس نے خط پاتے ہی اسدالدین اور صلاح الدین کو آپ کی مدد کے
لئے نہیں روانہ کر دیا ـــــ؟

خلیفہ عاضد چپ چاپ سیدۃ الملک کی باتیں سنتا رہا، اور وہ برابر اپنے

خیالات ظاہر کرتی رہی۔

سیدۃ الملک:۔ ہم نے نورالدین سے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ ملک کا تہائی حصہ اسے سونپ دیں گے۔ اور اس کے فوجی حکام کو علاقے دیں گے پھر جب یہ افسر آئے اور انھوں نے دشمنوں (عیسائیوں، ارمنوں اور ترکوں) سے ہمیں نجات دی تو ہم ان کے قتل کی سازشیں کر رہے ہیں کیا یہ مناسب ہے؟ جائز ہے؟ شریفانہ فعل ہے؟ کیا اسی کا نام انسانیت ہے؟

خلیفہ عاضد:۔ بس یا ابھی کچھ اور بھی کہو گی ——؟

سیدۃ الملک:۔ ایک بات اور —— ہم یہ سازش ان لوگوں کے خلاف کر رہے ہیں جنھوں نے ہماری سازشوں کے بے نقاب ہونے کے بعد بھی درگزر سے کام لیا کوئی انتقامی کاروائی نہیں کی۔ میں تو صاف صاف کہتی ہوں صلاح الدین ہمارے نئے اور پرانے دوستوں کے مقابلہ میں کہیں بہتر اور برتر ہے

خلیفہ عاضد:۔ کس طرح؟

سیدۃ الملک:۔ یاد کیجئے ہمارے وزیر شاور نے ہماری شہ پر، صلیبیوں سے خفیہ سازباز کی، علانیہ بغاوت کی تیاری کی، بے شک کردی (صلاح الدین) کے حکم سے وہ ہلاک کر ڈالا گیا۔ لیکن کیا ہمیں بھی کوئی چشم زخم پہنچا۔

خلیفہ:۔ اچھا —— اور؟

سیدۃ الملک:۔ اب دوسری بات لیجئے۔ ہمارے غلاموں کا سردار مؤتمن الخلافہ ہمارے ہی اکسانے پر کردیوں سے اُلجھا۔ جسے صلاح الدین نے قتل کر دیا، پھر اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے قصر شاہی کے ۵۰ ہزار غلام لڑنے مرنے کے لئے میدان میں آ گئے، یہ ہمارا قصران کے محاصرہ میں تھا، جیسی ہولناک جنگ ہوئی اسے اب بھی یاد کرتی ہوں تو کلیجہ کانپ جاتا ہے ——

صلاح الدین نے سب کو ہلاک کرنے کا تہیہ کر لیا تھا، لیکن صرف آپ کی وجہ سے انہ
ہلاک کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

خلیفہ عاضد: لیکن کیا میں نے کردیوں کی ہمت بندھائی تھی؟

سیدۃ الملک: ہاں بندھائی تھی، لیکن کیوں ـــ؟ اس لئے کہ آپ کو اندیشہ پیدا ہو
تھا۔ کہ صلاح الدین کے آدمی روغن نفت کی پچکاریوں سے آگ برسا کر ان کو ہلاک کریں گے۔
محل بھی لپیٹ میں آجائے گا، اور ہم سب جل کر خاکستر ہو جائیں گے

یہ باتیں سیدۃ الملک نے کچھ ایسے جوش و خروش اور جذبہ کے عالم میں کہیں کہ خلیف
اور شریف جلبیس دونوں ششدر ہو کر رہ گئے پھر وہ یک بیک چپ ہو گئی، ایسا معلوم ہو رہا
جیسے اُسے کوئی بات دفعتہً یاد آ گئی ہو، اس کیفیت کو خلیفہ اور جلبیس دونوں نے محسوس کیا۔ لیکن
نے لب کشائی مناسب نہ سمجھی اور حیرت سے ایک نظر سیدۃ الملک پر ڈال کر خاموش ہو گئے
تھوڑی دیر تک سیدۃ الملک خاموش رہی پھر جب اس کی حالت ذرا سنبھلی تو اس نے بھائی سے کہا۔

سیدۃ الملک: صرف آپ ہی کی وجہ سے صلاح الدین کے آدمیوں نے روغن نفت
کی آتش ریز پچکاریاں نہیں روکی تھیں۔

خلیفہ عاضد: پھر ـــ؟

سیدۃ الملک: اب اس ذکر کو چھوڑیئے اس واقعہ کا ذکر آپ کو بھی دکھ دیگا۔ اور مجھے
تکلیف پہنچائیگا ـــ آپ کا مزاج ابھی ناساز ہے اس وقت آپ کو آرام اور سکون کی ضرورت

خلیفہ عاضد: نہیں اب میں اچھا ہوں بخار جاتا رہا، اعضا شکنی بھی نہیں کہو کیا کہہ رہی تھ
کیوں روغن نفت کی آتش بار پچکاریاں صلاح الدین کے آدمیوں نے نہیں استعمال کیں؟

سیدۃ الملک: تو اجازت ہے پھر ـــ؟

خلیفہ عاضد:۔ ہاں کہو ــــ مجھے اشتیاق ہے ــ!

سیدۃ الملک نے اصلی گفتگو ابھی شروع نہیں کی تھی۔ کہ ایک غلام نمودار ہوا۔ اور ادب سے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت کی مداخلت خلیفہ عاضد اور سیدۃ الملک دونوں کو ناگوار گذری خلیفہ نے تو کچھ نہ کہا لیکن سیدۃ الملک نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا

سیدۃ الملک:۔ تم اس وقت کیوں آئے؟ ــ کیا تمھیں معلوم نہیں، یہاں تخلیہ ہے اور ہم کسی طرح کی مداخلت گوارا نہیں کر سکتے ــ!

حاجب:۔ میں تو آنے سے بار بار انکار کر رہا تھا لیکن انھوں نے ایک نہ سُنی۔ اور اصرار کیا کہ میں جا کر آپ کو اطلاع دُوں ــ۔

سیدۃ الملک:۔ کون ہے کس کی اطلاع دے رہے ہو تم؟

حاجب:۔ سیدہ حلیمہ آپ کی سہیلی تشریف لائی ہیں اور شاید کسی ضروری کام سے آئی ہیں ابھی اور اسی وقت ملنا چاہتی ہیں جو حکم ہو وہ جا کر عرض کر دوں۔

سیدۃ الملک:۔ اچھا حلیمہ آئی ہیں؟ ــ تم جاؤ انھیں عزت و تکریم سے بٹھاؤ، ان کی خاطر تواضع کرو، اور کہہ دو ہم ابھی آتے ہیں تھوڑی دیر میں ــ

حاجب نے تعمیل ارشاد کے لئے گردن جھکائی اور چلا گیا اُس کے جانے کے بعد خلیفہ عاضد نے پوچھا

خلیفہ عاضد:۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ نام میں نے صرف آج پہلی مرتبہ سنا ہے۔ کون ہے یہ حلیمہ؟

سیدۃ الملک:۔ یہ ہمارے سابق وزیر ابوالفضل کی لڑکی ہے بچپن میں اکثر محل میں آیا کرتی تھی پھر فضل کے انتقال کے بعد دمشق چلی گئی، جہاں اس کے ماموں اور دوسرے عزیز رہتے تھے اب بہت دنوں کے بعد آئی ہے ــ!

خلیفہ عاضد:۔ ہاں میں سمجھ گیا، میں بھی اس سے ملونگا لیکن تمہاری باتیں سنکر۔ تو کیا کہہ رہی تھیں تم؟

وہ کون تھا؟

خلیفہ عاضد سیدۃ الملک کی باتوں پر غور کر رہا تھا، اور سیدۃ الملک اپنی کیف
سب سے بے خبر تھی، اور جلیس چپ چاپ بیٹھا سوچ رہا تھا، یہ کس قسم کی باتیں شرو
ہوگئیں؟ یکایک اس خاموش فضا میں سیدۃ الملک کے ہاتھوں کی سرسراہٹ سی محسوس ہ
وہ جیب سے کوئی چیز نکال رہی تھی، پھر اس نے نرم و ملائم اور بھورے رنگ کے بالوں
لٹ خلیفہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:-

سیدۃ الملک:- کیا آپ ان بالوں کو پہچانتے ہیں؟ کیا آپ بتا سکتے
یہ کس کے بال ہیں؟

خلیفہ نے بالوں کو نگاہ غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا:-

خلیفہ عاضد:- ہاں میں پہچانتا ہوں؟- (الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے) یہ تمہارے
ہیں۔ یہ وہ بال ہیں جو خواتین حرم کے بالوں کے ساتھ میں نے گچھا بنا کر نورالدین زنگی سلطا
کو اپنے مرحوم وزیر شاور کے ہاتھ بھیجے تھے لیکن یہ گچھا تمہارے پاس کہاں سے آگیا؟ تم
کیسے پایا؟ مجھے بتاؤ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں!

سیدۃ الملک:- یہ بالوں کا گچھا مجھے اس ہولناک دن واپس ملا تھا جب ہمار
غلاموں اور صلاح الدین کے آدمیوں میں خون ریز جنگ شروع ہوئی تھی، جب یہ محل خ
میں تھا، خاندان فاطمی کا وجود خطرہ میں تھا خلیفہ عاضد کی زندگی خطرہ میں تھی اور میرا ناموس خ

خلیفہ عاضد:- ان تمام خطرات کے وجود اور ان کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن

سوال یہ نہیں، یہ ہے، یہ چیز تمھارے ہاتھ کیوں کر آئی؟ صلاح الدین کے آدمیوں، اور ہمارے غلاموں کی جنگ سے اس بالوں کے گچھے کو کیا تعلق؟

سیدۃ الملک:۔ ہاں میں بتاتی ہوں، میں خود یہ بات آپ کے علم میں لانا چاہتی تھی۔

خلیفہ عاضد:۔ تو جلدی کہو، میرا اشتیاق بڑھتا جا رہا ہے۔ بغیر کسی تمہید کے شروع کر دو۔

سیدۃ الملک:۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اس جنگ کے دوران میں صلاح الدین کے آدمیوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ روغن نفت کی آتش ریز پچکاریاں پھینک کر قصر شاہی میں آگ لگا دیں خواہ یہاں کے سارے مکین جل کر خاک سیاہ کیوں نہ ہو جائیں،

خلیفہ عاضد:۔ ہاں معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس حرکت کی اجازت صلاح الدین نے نہیں دی۔۔ ؛

سیدۃ الملک:۔ پھر بھی میرے محل میں، میرے ایوان کے عین سامنے، میرے ایوان کے دروازے کے بالکل محاذ میں، روغن نفت کا ایک بھڑکتا ہوا فتیلہ آکر گرا۔

خلیفہ عاضد:۔ (حیرت اور تعجب سے بے قابو ہو کر) ایں ۔۔ کیا کہا۔

سیدۃ الملک:۔ جی میں غلط نہیں کہتی۔ اس حادثہ نے خدام میں اور میری کوٹھی کے مکینوں میں ایک ہل چل اور افراتفری پیدا کر دی، اس دن اندازہ ہوا کہ انسان کو اپنی جان کتنی قیمتی ہوتی ہے، میرے وفادار، جاں نثار، فدائی اور باڈی گارڈ، پہلے یکہ و تنہا بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے خود اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے، مجھے سب بھول چکے تھے، صرف اپنی فکر تھی، جس میں یہ گھلے جا رہے تھے۔

خلیفہ عاضد:۔ اور میں ان حالات سے اب تک بے خبر ہوں ؛؛

سیدۃ الملک:۔ میں یہ باتیں کہہ کر آپ کی پریشانی میں اور اضافہ کرنا نہیں چاہتی تھی،

لیکن آج حالات مجبور کر رہے ہیں۔ کہ کچھ نہ چھپاؤں سب کچھ کہہ دوں!

خلیفہ عاضد:۔ ہاں کہو ——— یہی میں بھی چاہتا ہوں!

سیدۃ الملک:۔ میں اس حالت اضطراب میں دروازے پر کھڑی تھی اور ک

نہیں بن پڑ رہا تھا۔ کہ میں نے دیکھا، حبشی غلاموں کے لباس میں ایک نقاب پوش میری

بڑھ رہا ہے، بڑھا چلا آ رہا ہے اس عجیب و غریب ہیئت میں ایک اجنبی شخص کو خوفنا

میں اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر میں سہم گئی

خلیفہ عاضد:۔ ٹھیک ہے ——— آگے؟

سیدۃ الملک:۔ اتنے میں وہ شخص میری طرف آیا، اور اس نے مضبوطی سے میری

پکڑ لی، اب تک میں اپنے دل کو تسلی دے رہی تھی کہ ضرور یہ کوئی ہمارا آدمی ہوگا، لیکن اس

نے میرے اوسان خطا کر دیئے، میں گھبرا گئی،

خلیفہ عاضد:۔ (غصہ کے ساتھ) کون تھا وہ بے ادب؟

سیدۃ الملک:۔ میں نہیں جانتی ——— اُس نے میری کلائی مضبوطی سے پکڑ کر اپنی ط

لیکن جھٹکا دے کر میں نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا ———

خلیفہ عاضد:۔ پھر کیا ہوا ———؟

سیدۃ الملک:۔ پھر وہ لپک کر بڑھا، اور پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ میرا

اپنی طرف گھسیٹا، گویا وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔

خلیفہ عاضد:۔ (بہت زیادہ غضب ناک اور برہم ہو کر) اور تمہاری مدد کو کوئی نہیں

سیدۃ الملک:۔ نہیں ——— میں مدد کے لئے چیخی، چلائی، لیکن جو لوگ اپنی جان بچ

فکر میں لگے ہوئے تھے۔ وہ میری کیا سنتے؟ میں بدستور بے یار و مددگار کھڑی چیخ رہی

وہ شخص مجھے اپنی طرف گھسیٹ رہا تھا—بس۔ اتنے میں میں نے دیکھا، ایک اور آدمی آیا میں نے اسے امید کی نظر سے دیکھا۔ لیکن اُس نے میری کوئی مدد نہ کی، اس آدمی کے ساتھ مل کر وہ بھی مجھے گھسیٹنے لگا۔ گویا یہ دونوں گھسیٹ کر مجھے کہیں لے جانا چاہتے تھے—نہ جانے کہاں اور کیوں؟

خلیفہ عاضد:۔ آہ —اُف! کاش وہ دونوں بدبخت مجھے ایک لمحہ کے لئے مل جائیں پھر دیکھو انھیں کیسی عبرت انگیز سزا ملتی ہے!

سیدۃ الملک: سنئے تو—میری پیہم چیخوں کے جواب میں ان دونوں نے اپنے منہ پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، اور ساتھ چلنے کی ہدایت کی لیکن میں بدستور چیختی رہی، آخر ان میں سے ایک نے خنجر نکال لیا اور مجھے قتل کر دینے کی اشاروں اشاروں میں دھمکی دینے لگا—

میرے بھائی، تم میری مصیبت کا اندازہ کر سکتے ہو—!

خلیفہ عاضد: (باچشم پُرنم) ہاں پورا پورا اندازہ ہے مجھے!

سیدۃ الملک: میں نڈھال ہو گئی میری طاقت جواب دینے لگی۔ میری قوتِ مدافعت کمزور پڑ گئی، نقاب الٹ کر نیچے گر پڑا۔

اتنے میں، میں نے دیکھا، ایک اور آدمی اس طرف آ رہا ہے اُسے دیکھ کر میری روح لرز گئی، میں نے خیال کیا، یہ اس ظالم کا تیسرا مددگار آ گیا، میں رونے لگی، اور آنسو آنکھوں سے ڈھلک ڈھلک کر، میرے رخساروں پہ گرنے لگے

اب وہ آدمی اور قریب آیا۔ لیکن اس کا لباس جدا تھا، وہ صلاح الدین کی فوج کا کوئی افسر معلوم ہوتا تھا، اُس نے آتے ہی خنجر نکال لیا، اور ان دونوں پر حملہ کے لئے جھپٹا، اب معلوم ہوا یہ لوگ بزدل تھے، چمکتے ہوئے خنجر کا نظارہ نہ کر سکے۔ ان کی ساری بہادری اور دلیری صرف ایک

بے بس اور بے سہارا عورت کے مقابلہ میں تھی، اب جب وہی خنجر ان کے سر پر
لگا تو بھاگ کھڑے تھے۔۔۔۔۔۔

خلیفہ عاضد: بہرحال خدا کا شکر ہے بقول شخصے :

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت۔

لیکن یہ شریف انسان کون تھا؟

سیدۃ الملک: میں نہیں جانتی ۔۔۔۔۔ ان دونوں کے بھاگ جانے کے بعد
سامنے کچھ دیر تک خاموش اور مؤدب کھڑا رہا، پھر اس نے کہا:۔
مجھے فخر ہے کہ ان شیطان صفت انسانوں کے چنگل سے میں نے آپ کو بچا لیا

میں نے شکر گزار نظروں سے اسے دیکھ کر کہا:۔

میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں!

وہ پوچھنے لگا۔

"یہ درندہ خو لوگ کون تھے۔؟"

میں نے جواب دیا،

" س بالکل نہیں جانتی، کیا تم جانتے ہو؟

وہ بو لا: نہیں ۔۔۔۔۔ میں نے اتفاقاً آپ کو اس مصیبت میں دیکھا
مجھے قطعاً نہیں م لوم وہ کون لوگ تھے؟

میں نے دریا فت کیا۔

کیا میں معلوم کر سک تی ہوں تم کون ہو؟ ۔۔۔۔ بھیا میں ابھی تک سہمی ہوئی تھی، میرے
سوال کے جواب میں تسلی اور دل دہی کے لہجہ میں اس نے کہا:۔

آپ خوف زدہ نہ ہوں، میں کوئی غیر نہیں، دشمن نہیں۔ آپ کا ہوا خواہ جان نثار، اور خادم ہوں، صلاح الدین کے لشکر کا ایک فرد! ـــــ وہی لشکر جو اس وقت قصر شاہی کا محاصرہ کئے ہوئے ہے ــــــ

میں نے پوچھا:۔

لیکن اس طرف تم کیسے آنکلے؟

وہ گویا ہوا:۔ میں نے دور سے آپ کو اس مصیبت میں دیکھا، پھر میری نظر آپ کے سنہرے بالوں پر پڑی، میں نے خیال کیا ضرور آپ کا تعلق حرم خلافت کی خواتین میں سے ہے ـــ! پھر مجھے تاب نہ رہی اور میں چلا آیا اس طرف!

میں اب اپنے ہوش میں آچکی تھی میں نے کچھ برہمی اور کچھ نقاہت کے لہجہ میں کہا

تمہاری وفاداری کا یہ عالم ہے کہ حرم خلافت کی ایک خاتون کو مصیبت میں دیکھ کر مدد کے لئے دوڑ پڑے اور دوسری طرف اس محل پر، جس میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب ہیں، روغن نفت کی شرربار پچکاریاں پھینک رہے ہو؟

اس کی تیوریاں چڑھ گئیں اور اس نے کہا۔

"بالکل غلط ــــــ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا!"

سامنے فتیلہ نفت پڑا ہوا تھا میں نے اس کی اشارہ کر کے کہا،

"پھر یہ کیا ہے؟ ـــــ کیا آسمان سے ٹپکا ہے یا زمین نے اگلا ہے؟

وہ کہنے لگا، سیدہ، میں بہ قسم آپ کو یقین دلاتا ہوں، یہ ہمارے لشکر کی حرکت نہیں ایسی پچکاری بھی ہماری طرف سے نہیں پھینکی گئی ہے، ضرور یہ حرکت ان ہی بدمعاشوں کی ہے جو یہاں سے ابھی آپ کے سامنے جان بچا کر بھاگے ہیں؟۔

"مجھے اس بات کا یقین نہ آیا، میں نے جرح کی،

"اس حرکت سے ان کا مقصد کیا ہو سکتا ہے بھلا؛

اُس نے اعتماد اور یقین کے ساتھ کہا،

کھلی بات ہے اس طرح محل میں افراتفری پیدا کر کے لوگوں کو دوسری طرف
کر دیا، اور آپ کو اغوا کر لے جانا تھا۔ کیا اس سے بہتر بھی کوئی ترکیب ہو سکتی
حصول مقصد کی؟

خلیفہ عاضد اور شریف جلیس بڑے انہماک اور استغراق کے ساتھ سیدۃ الملک
کی باتیں سُن رہے تھے، اور اس کی کیفیت یہ تھی کہ جوش سے اس کا چہرہ سرخ ہو
تنفس تیز ہو گیا تھا، آنکھیں چمک رہی تھیں

کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد خلیفہ عاضد نے کہا

خلیفہ عاضد: ہاں یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ معمہ اب تک لاینحل ہے کہ اس کرد
نے تمہیں کیسے پہچان لیا کہ تم حرم خلافت کی خواتین سے تعلق رکھتی ہو یا اس نے کبھی تمہیں
دیکھا ہو، یہ بھی نہیں ہو سکتا، اس لیئے کہ جب باہر جاتی ہو تو پردہ میں؛ پھر اگر اپنے محل کا
آدمی ہوتا تو ایک بات تھی، ایک غیر شخص صلاح الدین کا ایک سپاہی ——— عجیب بات

سیدۃ الملک: (سنجیدگی سے) امیر المومنین کیا آپ کے دل میں میرے متعلق
ہائے دور دراز پیدا ہو رہے ہیں؟ ——— حالاں کہ میں کہہ چکی ہوں کہ اس نے میرے
مجھے پہچانا، اس نے اپنی جیب سے میرے بالوں کا یہ گچھا نکالا اور میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے

یقیناً یہ آپ کے بال ہیں؛

پھر اس نے اس گچھے کو میرے بالوں سے ملایا، بالکل یکساں اور ہم رنگ پایا ———

خلیفہ عاضد:۔ کیا اس نے اپنا ہاتھ تمہارے سر میں لگایا تھا؟

سیدۃ الملک:۔ نہیں اس نے یہ جرأت نہیں کی صرف اس بچھے کو میرے سر کے قریب لاکر دیکھا اور اندازہ کر لیا ——— اس پر کسی طرح تہمت لگانا یا اس کے بارے میں بُری رائے قائم کرنا، اس کے احسان، شرافت اور نیک نفسی کا بہت بڑا اور افسوسناک معاوضہ ہے۔ میں اس کی شکر گزار ہوں، میں اس کی ممنونِ کرم ہوں، اس نے میری جان بچائی، اُس نے میرا ناموس بچایا، اگر وہ فرشتہ عیب بن کر نمودار نہ ہوتا، تو کون جانتا ہے اس وقت میں کہاں ہوتی؟ اور کس حالت میں ہوتی؟

خلیفہ عاضد:۔ لیکن وہ دونوں شخص کون ہو سکتے ہیں یہ بات بھی کچھ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتی —!

سیدۃ الملک:۔ کہہ چکی ہوں میں نہیں جانتی ہاں ایک شخص پر مجھے شبہ ضرور ہے۔

خلیفہ عاضد:۔ تو اس کا نام لو، بتاؤ کون ہے وہ؟

سیدۃ الملک:۔ میں اس کا نام نہیں لینا چاہتی۔

خلیفہ عاضد:۔ یہ کیوں —؟

سیدۃ الملک:۔ صرف شبہ پر میں کسی کو مبتلائے اذیت کرنا نہیں چاہتی، ممکن ہے میرا شبہ غلط ہو، اس لئے ایک سال کے قریب مدت ہونے کو آئی، مگر میں نے آپ سے ذکر بھی نہیں کیا۔

خلیفہ عاضد:۔ دیرہی کے ساتھ لیکن یہ تمہاری غلطی تھی۔ تمہارا فرض تھا کہ ان واقعات سے بروقت مجھے آگاہ کرتیں ——— اتنا اہم حادثہ، اور اتنا مکمل ثبوت عجیب بات ہے عجیب طرزِ عمل ہے تمہارا، میری سمجھ میں نہیں آتا ایسا کون شخص ہو سکتا ہے جو قصرِ خلافت میں

اگر تم پر حملہ آور ہونے کی جرأت کرے۔ جس شخص پر تمہیں شبہ ہے اس کا نام نہ چھپاؤ مجھے بتاؤ

سیدۃ الملک:۔ صرف شبہ کی بنا پر کسی کو مبتلائے اذیت کرنا، میرا شیوہ نہیں جب اس نے وہ مصیبت ٹال بھی دی، میں بچ بھی گئی، لیکن ایک بات کا مجھے سخت افسوس ہے کہ آپ سے مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔

خلیفہ عاضد:۔ وہ کون سی خلاف توقع بات سرزد ہوئی تھی مجھ سے؟

سیدۃ الملک:۔ آپ نے اس شخص کے بارے میں شکر و سپاس کا ایک لفظ بھی نہ کہا جو میرا نجات دہندہ ہے اور بجا طور پر زیادہ سے زیادہ انعام و اکرام اور تحسین کا مستحق ہے۔!

خلیفہ عاضد:۔ لیکن اس کے بارے میں بھی تو کچھ نہیں معلوم کہ وہ کون ہے؟۔ کیا تم اس کا نام جانتی

سیدۃ الملک:۔ نہیں جانتی — میں نے اس کا نام دریافت ہی نہیں کیا۔!

خلیفہ عاضد:۔ کیوں نہیں دریافت کیا؟ کیا یہ تمہاری کوتاہی نہیں ہے؟

سیدۃ الملک:۔ میں سمجھتی تھی وہ خود حصول انعام کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری سرگزشت سنائے گا۔ اور انعام و اکرام سے اُسے آپ مالامال کر دیں گے۔!

خلیفہ عاضد:۔ کاش ایسا ہوتا — لیکن اس کی شکل و شمائل ہی کے بارے میں کچھ بتاؤ

سیدۃ الملک:۔ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی — میں اُس وقت اتنی بدحواس اور پریشان ہو رہی تھی کہ اس کے چہرے کی طرف دیکھ ہی نہ سکی اور وہ بھی میری ڈھارس بندھا کر اس تیزی سے واپس گیا جیسے کوئی بڑا ضروری کام چھوڑ کر آیا تھا — البتہ اس کی بات ضرور یاد ہے مجھے —!

خلیفہ عاضد:۔ کون سی بات؟

سیدۃ الملک:۔ اس نے بالوں کا گچھا میرے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے کہا:۔

اپنے بالوں کا یہ گچھا اپنے پاس رکھیئے، خدا کرے، اب یہ آپ کے پاس رہے، اور کہیں اور نہ پہنچے —— خلیفہ عاضد کے لئے یہ بات ہرگز مناسب نہ تھی کہ وہ ان بالوں کو وسیلہ بناکر نورالدین سے مدد طلب کرتے" بس پھر وہ چلا گیا، اور اس دن سے آج تک اس کی صورت نہ دکھائی دی ——

برہمی

خلیفہ عاضد، سیدۃ الملک کی باتیں سُن کر بہت برہم ہُوا، آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں
سارا جسم وفورِ غضب سے تھر تھر کانپ رہا تھا، اس نے بالوں کا گچھا سیدۃ الملک کے ہاتھ سے
لیا۔ اور سیدۃ الملک کو پاس بلا کر اُس کے بالوں سے ملایا، اور پھر تھرّاتے ہوئے لہجہ میں شریف
جلبیس سے مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

خلیفہ عاضد:۔ تم نے دیکھا (بالوں کا گچھا اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے)

شریف جلبیس:۔ جی امیرالمومنین میں نے دیکھ لیا،

خلیفہ عاضد:۔ تم نے سُنا؟

شریف جلبیس:۔ امیرالمومنین میں نے ساری داستان سُن لی:

خلیفہ عاضد:۔ پھر کیا رائے قائم کی؟

جلبیس سٹ پٹا گیا اُس سے کچھ کہتے نہ بن پڑا۔

خلیفہ عاضد:۔ واقعی میں خطاوار ہُوں،!

شریف جلبیس:۔ نہیں، نہیں امیرالمومنین سے کوئی خطا سرزد نہیں ہو سکتی!

خلیفہ عاضد:۔ یہ نہ کہو، جھوٹ نہ بولو، میری رعایت نہ کرو، میری مروت اور لحاظ
میں حق بات چھپانے کی کوشش نہ کرو!

شریف جلبیس:۔ امیرالمومنین، یہ کس طرح باور کر لوں کہ آپ نے غلطی کی؟

خلیفہ عاضد:۔ میں نے غلطی کی، بہت بڑی غلطی کی، واقعی، مجھے یہ زیبا نہ تھا کہ

حرم کے بال طلب امداد کے لئے نورالدین زنگی کے پاس بھیجنا۔ کیا یہ بہت بڑی غلطی نہیں تھی:

شریف جلبیس:۔ امیرالمومنین! یہ تو واقعی غلطی ہوئی ہے!

بہت بڑی اور افسوسناک غلطی!

خلیفہ عاضد:۔ لیکن اس وقت جو سوال ہمارے زیر غور ہے، وہ بالکل دوسرا ہے

شریف جلبیس:۔ جی ارشاد!

خلیفہ عاضد:۔ وہ سوال یہ ہے کہ سیدۃ الملک کے بال اس کردی نوجوان کے ہاتھ کس طرح آئے؟

شریف جلبیس:۔ واقعی یہ بڑا نازک اور پیچیدہ سوال ہے:

خلیفہ عاضد:۔ اور اس کردی نوجوان نے ان بالوں کو اس وقت تک اپنے پاس محفوظ کیوں رکھا جب تک یہ بالوں والی کو واپس نہ کر دیئے؟

شریف جلبیس:۔ یہ تو ایک معمہ معلوم ہوتا ہے

خلیفہ عاضد:۔ (انتہائی برہمی کے ساتھ) کیا تم سمجھتے ہو میں اس درد کو چپ چاپ برداشت کر لوں گا۔؟

شریف جلبیس:۔ (لرزہ براندام ہو کر) بے شک امیرالمومنین کی برہمی بالکل بجا ہے، لیکن اگر جان کی امان پاؤں تو میں بھی کچھ عرض کروں؟

خلیفہ عاضد:۔ اجازت ہے، کہہ سکتے ہو، کہو۔!

شریف جلبیس:۔ اس کردی نوجوان کا معاملہ اتنا اہم نہیں، جتنا ان دونوں شخصوں کا کردی نوجوان نے سیدۃ الملک کی جان بچائی، ناموس بچایا، اور وہ دونوں ان ہی چیزوں پر ڈاکہ ڈالنے تھے۔۔۔ ان کا سراغ لگنا چاہیئے۔

خلیفہ عاضد:۔ ہمیں تمہاری رائے سے اتفاق ہے۔ لیکن کون لوگ ہوسکتے ہیں؟

شریف جلیس:۔ یہی تو ٹیڑھا سوال ہے۔!

خلیفہ عاضد:۔ (سیدۃ الملک سے مخاطب ہوکر) آخر تمہیں کس شخص پر شبہ ہے؟ ___ (بلند آواز سے) وہ کون شخص ہوسکتا ہے جس نے میرے حرم میں آنے جرائت کی! میری بہن کو دہشت زدہ کیا۔ اس کی جان لینے کی کوشش کی؟ اس کی ناموس پر ڈاکہ ڈالنا چاہا! ایسا شخص جہاں بھی ہوگا، بچ نہیں سکے گا، کیفر کردار کو پہنچے گا۔ اور پہنچ کر رہے گا۔ بتاؤ سیدہ وہ کون تھا؟ ___ تمہیں کس پر شبہ ہے؟

یہ کہتے کہتے دفور غضب سے خلیفہ کانپنے لگا۔

سیدۃ الملک نے اُٹھ کر بھائی کی پیشانی سے پسینہ پونچھا، اور دل دہی کے لہجے میں جواب دیا۔

سیدۃ الملک:۔ بھائی جان ضبط وتحمل سے کام لیجئے اور مجھے مجبور نہ کیجئے کہ میں اس شخص کا نام زبان پر لاؤں جس پر مجھے شبہ ہے ___

خلیفہ عاضد:۔ تم اس کا نام چھپانے پر کیوں مصر ہو؟

سیدۃ الملک:۔ اس لئے کہ میں انسان ہوں، میرا شبہ غلط بھی ہوسکتا ہے لہذا صرف شبہ کو بنیاد بناکر کیوں کسی کی پریشانی کی موجب بنوں؟ کیا یہ بات اچھی ہے؟

خلیفہ عاضد:۔ (تسلی کی اَن سنی کرتے ہوئے) میں تمہیں اپنی جان کی قسم دیتا ہوں، خدا کے لئے نہ چھپاؤ، مجھے اس کا نام بتادو جس پر تمہیں شبہ ہے ___ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ صرف شبہ کی بنا پر کوئی کارروائی نہیں کروں گا، پوری تحقیقات کروں گا۔ اور جب تک جرم ثابت نہیں ہو جائے گا۔ تعزیر وعقوبت کا سلسلہ شروع ہوگا۔ البتہ ثبوت ملنے کے بعد

دنیا کی کوئی طاقت مجرم کو نہیں بچا سکے گی! ــــ کیا اب بھی تم مطمئن نہیں ہو تیں؟

یہ سنکر، سیدۃ الملک نے گردن جھکائی اور کچھ سوچنے لگی، اسے خاموش دیکھ کر خلیفہ نے پھر اپنا سوال دوہرایا، اور پوچھا:

خلیفہ عاضد:۔ سیدۃ الملک میں اپنے سوال کا جواب چاہتا ہوں۔

سیدۃ الملک:۔ ابھی نہیں ــ کسی اور وقت پوچھ لیجئے گا!۔ اس وقت مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے ــ!

شریف جلبیس، اب تک خاموش بیٹھا تھا۔ اس نے کہا

شریف جلبیس:۔ میری رائے بھی یہی ہے کہ اس وقت سیدۃ الملک کو مجبور نہ کیا جائے، کسی وقت وہ امیرالمومنین کو نام بتا دیں گی ــــ وہ وعدہ کر رہی ہیں ــ اس وقت جو مسئلہ زیرِ غور تھا، بحث و گفتگو اس پر ہونی چاہیئے،

خلیفہ عاضد:۔ یعنی ــــ کیا مطلب ہے تمہارا ــــ؟

شریف جلبیس:۔ کردوں سے نجات حاصل کرنے کے مسئلہ پر ہم غور کر رہے تھے صلاح الدین کے فتح کرنے کے بارے میں ابوالحسن نے جو تجویز میری معرفت بھیجی تھی وہ زیرِ غور تھی ـ ہاں سوال یہ ہے کہ اس بارے میں آپ نے کیا فیصلہ فرمایا؟

ابوالحسن کا نام سنکر سیدۃ الملک پر جھرجھری سی طاری ہوئی لیکن اس نے اپنے تئیں سنبھال لیا، اور اپنی کیفیت کسی پر ظاہر نہ ہونے دی۔ خلیفہ نے جلبیس کی طرف دیکھا اور کہا:۔

خلیفہ عاضد:۔ ابوالحسن صلاح الدین کی جان لینے کا عہد کرتا ہے ــــ یہی نا؟

شریف جلبیس:۔ امیرالمومنین یہی بات ہے

خلیفہ عاضد:۔ اور اس کے معاوضہ میں، وہ ہمارا ولیعہد بننا چاہتا ہے ــ ٹھیک ہے نا؟

شریف جلیس :۔ بالکل درست ــــ یہی بات ہے امیرالمومنین!

خلیفہ عاضد :۔ تو ہم اس بات کو منظور کرتے ہیں ہم اسے اپنا ولیعہد بنالیں گے۔

شریف جلیس :۔ امیرالمومنین کا قول پتھر کی لکیر ہے کون ہے جو اس کی صداقت اور اسکا[...]
سے انکار کرنے کی جرأت کرے، البتہ ــــ

خلیفہ عاضد :۔ (چونک کر) البتہ کیا؟ ــــ کیا ابوالحسن کچھ اور کہتا ہے؟

شریف جلیس :۔ وہ صرف اس بارے میں امیرالمومنین کی تحریری منظوری کا خواہاں ہے
ــــ بس اور کوئی بات نہیں!

خلیفہ عاضد :۔ یعنی وہ ہم پر، ہماری بات پر، ہمارے قول پر اعتماد نہیں کرتا! ــــ

شریف جلیس :۔ یہ بات تو نہیں ہے امیرالمومنین

خلیفہ عاضد :۔ پھر کیا بات ہے؟ ــــ صاف صاف کہہ

شریف جلیس :۔ تحریر دے دینے میں حرج بھی کیا ہے؟ معاملہ اور مستحکم ہو جائے گا!

خلیفہ عاضد :۔ لیکن ہم اس کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتے، ہم کوئی تحریر نہیں دیں گے اگر
ہماری بات پر اعتماد کرتا ہے تو خیر، ورنہ وہ جانے اور اس کا کام ــــ

شریف جلیس :۔ بہت خوب:

خلیفہ عاضد :۔ تم ہمارا یہ کلام اس تک پہنچا دو ــــ!

شریف جلیس :۔ ضرور پہنچا دوں گا، لیکن ایک بات اور تھی۔

خلیفہ عاضد :۔ تو کہتے کیوں نہیں؟ ــــ کیا ہے وہ بات؟

شریف جلیس :۔ مجھے عرض کرنے میں تامل نہیں، ہاں ڈر ضرور لگتا ہے اسے کہتے ہوئے

خلیفہ عاضد :۔ ڈر کا ہے کا ــــ؟

شریف جلبیس:۔ کہیں سیدۃ الملک برہم نہ ہو جائیں"!

یہ کہہ کر جلبیس نے پھر سکوت اختیار کیا

خلیفہ عاضد:۔ لیکن تم نے یہ کیسے فیصلہ کر لیا، کہ وہ برہم ہو جائیں گی؟ آخر وجہ؟ سبب؟

شریف جلبیس:۔ میں نے سیدۃ الملک کی باتوں اور چہرہ بشرہ سے اندازہ کیا ہے کہ وہ خفا ہو جائیں گی یہ بات سن کر۔ خدا کرے میرا خیال غلط ہو۔۔

خلیفہ عاضد:۔ کیا اندازہ کیا ہے تم نے؟ چبا چبا کر باتیں کیوں کر رہے ہو؟

شریف جلبیس:۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے سیدہ ابوالحسن کو ذرا بھی پسند نہیں کرتیں؛

سیدۃ الملک:۔ (تیوری چڑھا کر) لیکن میں اسے کیوں پسند کروں؟ ——— وہ ——— میری پسندیدگی کا خواستگار کیوں ہے؟

شریف جلبیس:۔ اس کی تمنا صرف یہ ہے کہ امیر المومنین سے شرف تقرب حاصل ہو جائے اور بس، اس سے زیادہ اس کی کوئی آرزو نہیں"!

سیدۃ الملک:۔ لیکن میں اس کے اور امیر المومنین کے تقرب میں حائل تو نہیں ہوں ——!

خلیفہ عاضد:۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

شریف جلبیس:۔ اگر حکم ہو تو عرض کر دوں صاف صاف؟

خلیفہ عاضد:۔ ہم خود ہی تو تم سے کہہ رہے ہیں ——— کہو کہو ——— ہمارا خیال ہے کہ وہ سیدۃ الملک کا خواستگار ہے، اگر اس کا یہی مطالبہ ہے تو ناقابل قبول تو نہیں، کیا حرج ہے اس میں، آخر وہ اپنا خون ہے عزیز ہے۔ کوئی غیر، اور اجنبی تو نہیں ——!

سیدۃ الملک:۔ امیر المومنین کا منشا میں نہیں سمجھی،

خلیفہ عاضد:۔ میرا خیال ہے ابوالحسن سے بہتر شوہر تمہیں نہیں مل سکتا؛ ———

کیوں شریف جلبیس؟

شریف جلبیس گھبراگیا، لیکن خلیفہ کی بات کا جواب بھی دینا ضرور تھا اُس نے

شریف جلبیس ،۔ امیرالمومنین کی صائب رائے سے کون اختلاف کر سکتا ہے

بالکل بجا ارشاد ہوا ، !

خلیفہ عاضد ،۔ پھر وہ ہمارا ہم کفو ہے خاندان، حسب نسب سب ایک بالکل

شریف جلبیس :۔ بجا ارشاد ہوا، ہم نسب ہونے کے علاوہ وہ مدبر ہے زیرک

معاملہ فہم ہے، ہمدرد اور ہوا خواہ ہے، فدائی اور جان نثار ہے پسینہ پر خون بہانے کو ہر

تیار رہتا ہے امیرالمومنین کی، خلافت فاطمی کو کردوں کے پنجہ سے نکالنے کے لئے وہ اپنی

جان کی بازی لگا چکا ہے ـــ

پھر میرا ایک اور خیال بھی ہے ۔!

خلیفہ عاضد ،۔ وہ کیا ـــ؟

شریف جلبیس ،۔ اگر امیرالمومنین نے سیدہ سے ابوالحسن کا نکاح کر دیا، تو پھر

شرط پر ہرگز اصرار نہیں کرے گا ،

خلیفہ عاضد :۔ دوسری شرط؟ ـــ یعنی ولی عہدی؟

شریف جلبیس :۔ جی ہاں میرا مطلب یہی ہے پھر اُس کو اصرار نہ ہوگا ۔ کہ اسے ولیعہد

بنایا جائے یہ شرف اُسے بہت کافی اور وافی ہوگا ، وہ بڑی خوشی سے ولی عہدی کے

سے دست بردار ہو جائے گا ۔

خلیفہ عاضد ،۔ یہ کیوں ـــ؟

شریف جلبیس ،۔ اس کے دل میں سیدۃ کا غیر معمولی اجلال و احترام ہے اُس

لئے اس سے بڑھ کر فخر و مباہات کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ یہ اعزاز اسے حاصل ہو جائے کہ سیدہ اس کی رفیقۂ حیات بن جائیں ـــــ یہ عزت اگر اسے حاصل ہو گئی، تو پھر دیکھئے وہ کیا کرتا ہے ؟۔

سیدۃ الملک :۔ میں نے تمہاری یہ رائے سن لی، لیکن امیر المومنین یعنی میرے بھائی اس بارے میں کیا کہتے ہیں ؟ یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں اس وقت ـــــ ؛

خلیفہ عاضد :۔ میں تو اپنی رائے کا پہلے ہی اظہار کر چکا ہوں ـــــ ابھی ابھی کہہ چکا ہوں ۔ ابو الحسن سے اچھا اور بہتر شوہر تمھیں نہیں مل سکتا وہ ہر اعتبار سے قابل قبول ہے ۔ ایسا آدمی تلاش جستجو سے بھی نہیں مل سکتا ،

سیدۃ الملک :۔ (ایک عزم و جرأت کے ساتھ لیکن افسوس میری رائے ہرگز یہ نہیں ہے

خلیفہ عاضد :۔ تم ضد کر رہی ہو، ورنہ تمھاری رائے غلط ہے !

سیدۃ الملک :۔ کیوں کر ـــــ ؟

خلیفہ عاضد :۔ ہمارے خاندان میں اس سے بہتر کون شخص ہے جو تمھارا شوہر بن سکے

سیدۃ الملک :۔ میں ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتی ۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور اب پھر کہتی ہوں کہ میں سرے سے شادی ہی کرنا نہیں چاہتی

خلیفہ عاضد :۔ واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟

سیدۃ الملک :۔ یہی ہو گا، براہ کرم، اب یہ سوال میرے سامنے کبھی زیر بحث نہ لایا جائے ! ـــــ باقی اپنے معاملات کے سلسلہ میں آپ جانیں ، اور وہ ۔ مجھے اس سے کوئی دل چسپی نہیں ؛۔

شریف جلیس :۔ لیکن محترمہ، یہ معاملہ صرف امیر المومنین اور ابو الحسن کا نہیں ہے ۔

سیدۃ الملک:۔ پھر کس کا ہے؟

شریف جلیس:۔ ملک کا ملت کا، خاندانِ خلافت کا ــــ اس رشتہ پران کا
کی فلاح و بہبود منحصر ہے اگر آپ اپنے انکار پر قائم رہیں تو وہ پروگرام ناکام ہو جائے گا۔ جو
انھوں نے بنایا ہے۔۔ پھر ابوالحسن کا دل ٹوٹ جائیگا۔ اس کی امنگیں ختم ہو جائیں گی اس کے
سرد پڑ جائیں گے، وہ کچھ نہ کر سکے گا!

سیدۃ الملک:۔ تو کیا ہو گا؟

شریف جلیس:۔ کردوں کا اقتدار قائم رہے گا، خلافت فاطمی روز بروز
ہوتی چلی جائے گی، خلیفہ کا چھنا ہوا اقتدار پھر کبھی واپس نہ ملے گا،

سیدۃ الملک:۔ تم آخر ابوالحسن کو سمجھتے کیا ہو؟

شریف جلیس:۔ ایک بہت بڑی قوت، جو بڑی سے بڑی قوت کو تہس نہس
رکھ سکتی ہے۔ ایک بہت بڑا دماغ، جو بہت سے دماغوں کو شکست دے سکتا ہے
بہت بڑی تدبیر جو دوسروں کی تمام تدبیروں کو غارت کر سکتا ہے۔

سیدۃ الملک (شریف جلیس پر حقارت کی نظر ڈال کر) تم جھوٹے ہو ابوا
جھوٹوں کا بادشاہ ہے، وہ کچھ نہیں کر سکتا، یہ صرف خیالی قلعے ہیں۔

شریف جلیس:۔ نہیں سیدہ، مجھے آپ کی رائے سے اتفاق نہیں ــــ ابوالحسن
خوبیوں اور صفات کا آدمی ہے

سیدۃ الملک:۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ خود غرض ہے، منافق ہے دھوکے
اس کی صفات میں قابلِ ذکر صفات ہیں، جاہ پرستی، ذلت نفسی، پستی کردار!

خلیفہ عاضد:۔ تمہارے اس دعویٰ کی کوئی دلیل بھی تمہارے پاس ہے ــــ

یادہ ابو الحسن کو جانتا ہوں، میں تم سے زیادہ اسے پرکھ چکا ہوں میں نے اسے بہت اچھا اور کھرا دمی پایا، کسی طرح کی بد نفسی، غداری، جاہ پرستی اور خود غرضی نہیں دیکھی ۔ حیرت ہے تم ایسی بے سرو پا باتیں الحسن کے بارے میں کس دیدہ دلیری کے ساتھ کہہ رہی ہو ؟

وہ صادق ہے مخلص ہے ملک اور ملت کا وفادار ہے خلافت فاطمی اور خلیفہ عاضد کا جان ثار ہے! — تم اسے بُرا کہہ رہی ہو؟ وہ منافق ہے تمہاری نظر میں ؟ اس کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ وہ جھوٹا ہے ، دروغ گو ہے ، مفسد ہے؟ جاہ پرست ہے ؟

سیدۃ الملک ،، آپ کی نظر ظاہر پر ہے ، میں باطن پر بھی نظر رکھتی ہوں آپ الفاظ پر بھروسہ کرتے ہیں ۔ میں چہرے بشرے کی نباذ شناس بھی ہوں ، آپ کلام پر اعتبار کر لیتے ہیں، میں کردار کو اصل سمجھتی ہوں، بہرحال وہ وقت جلد آئے گا ، جب آپکو میری باتوں کا اعتبار آجائے گا ۔ اور آپ میری تصدیق پر مجبور ہو جائیں گے !

خلیفہ نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ سیدۃ الملک نے کہا

،، آپ کافی تھک چکے ہیں ، آپ آرام کیجئے ، میری باتوں پر غور کیجئے پھر آپ کی طبیعت ذرا سنبھل جائے ، تو پھر کسی وقت باتیں ہوں گی ، یہ معاملہ ایسا نہیں ہے جس کا فوری فیصلہ کیا جا سکے !

خلیفہ نے یہ بات مان لی ، اور خواب گاہ کی طرف چلا گیا ! پھر شریف جلیس کیوں بیٹھتا ؟ وہ بھی چلا گیا ۔ ،

چالاک

ابوالحسن نہایت چالاک، زیرک اور عیّار انسان تھا، وہ حالات کا مکمل
لے چکا تھا۔ اسے معلوم تھا خلیفہ کمزور ہے حالات سے دل برداشتہ ہے، اقتدار
طالب ہے، صلاح الدین اور کردی تسلّط سے بیزار ہے وہ آسانی سے قابو میں
بھی جانتا تھا کہ کسی طرح بھی سیدۃ الملک اس سے شادی کرنے پر رضامند نہیں
سے نفرت کرتی ہے اسے ذلیل سمجھتی ہے اسے حسب نسب کے اعتبار سے ہیچ اور
کرتی ہے علوی خاندان سے اس کے ادعائے نسبت کو غلط باور کرتی ہے کسی قیمت
رضامند نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اسے رفیق زندگی بنالے، وہ اس حقیقت سے
کہ صلاح الدین کتنی بے پناہ قوت و طاقت حاصل کرچکا ہے اور اس قوت سے
کام ہے ساتھ ہی ساتھ وہ شریف جلبیس کی سادہ لوحی، سادہ مزاجی، بھولے
تک بے وقوفی کا بھی رمز شناس تھا۔ لہٰذا پہلے اس نے خلیفہ کو، اپنی چکنی چپڑی
قدردان بنایا۔ پھر سیدۃ الملک کے سامنے اپنی وفاداری اور جان نثاری
پھر صلاح الدین سے بے تعلق رہ کر، اور خلیفہ سے ربط پیدا کرکے اسے غارت
اسکیم بنائی، اور سب سے آخر میں شریف جلبیس کو اپنا قاصد اور سفیر بنا کر
میں عین اس وقت بھیجا جب وہ حالات سے بہت زیادہ دل گرفتہ، اور
اسے یقین تھا، اس کا پھینکا ہوا تیر نشانہ پر بیٹھے گا۔ کسی طرح بیکار نہیں کیا جا
باحوصلہ اور ہوشیار بھی تھا، کہ اس نے طے کرلیا تھا۔ اگر یہ تیر رائگاں گیا، تو بھی

اپنا کام کئے جائے گا۔ یہاں تک کہ خلیفہ خود اس کی ایک ایک بات ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے

مجبور ہو جائے

شریف جلبیس، ابوالحسن کی نیکی، پارسائی، وفاداری اور شرافت نفس سے اتنا زیادہ ...ہو چکا تھا، کہ وہ اسے ولی، اور بزرگ سمجھنے لگا تھا، شریف جلبیس کا جہاں تک تعلق تھا، ...ہ بدنیت تھا، نہ مفسد بلکہ وہ سیدھا سادھا، بھولا بھالا اور مرنجان مرنج قسم کا آدمی تھا۔ ...زیادہ بڑی آسانی سے ابوالحسن کے جال میں پھنس گیا۔ اور جوش و خروش کے ساتھ اس کا ...فیر بن کر خلیفہ کے سامنے پہنچ گیا اور وہ سب کہہ گزرا، جسے خلیفہ کی موجودگی میں ابوالحسن ...ی منہ سے نکالنے کی جرأت نہ کر سکا تھا۔

لیکن اب شریف جلبیس خلیفہ کی بارگاہ سے ناکام واپس آیا تھا، اسے اپنی ناکامی کا اتنا صدمہ ...ہیں تھا، جتنا یہ غم تھا کہ یہ خبرِ بد وہ کس طرح ابوالحسن کے کانوں تک پہنچائے گا؟ جو شخص ...تحفظ خلافت کے لئے اپنی جان کی بازی لگا چکا ہو، جو خلیفہ کے حصول اقتدار کے لئے فدائیوں ...اور باطنیوں تک سے ساز باز پر آمادہ ہوا جو صلاح الدین جیسی باجبروت شخصیت کا قلع قمع ...نے کا بیڑہ اٹھا چکا ہو، وہ بھی اگر خلیفہ کے دربار سے بامراد اور شاد کام نہ ہو تو پھر کون کس سے ...توقع رکھ سکتا ہے۔؟

خضر نے کیا کیا سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی۔!

اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ سیدھا ابوالحسن کے پاس پہنچے، اگر وہ کامیاب واپس آیا ہوتا ...اسی وقت پہنچتا، اور ساری سرگزشت مزے لے لے کر بیان کرتا، لیکن وہ ناکام لوٹا تھا ...ب داستانِ غم کس طرح سناتا جا کر؟

اسی حیص بیص میں وہ ابوالحسن کے پاس جانے کے بجائے، اپنی قیام گاہ آگیا، اور رات بھر کروٹیں بدل بدل کر یہی سوچتا رہا، کہ کیا کیا جائے؟ کس طرح یہ خبر کو سنائی جائے؟ —— یہ رات گزر سکتی تھی لیکن آنے والا دن؟ —— کیا وہ بھی گزر جائے گا؟ —— اگر میں نہ گیا، تو وہ خود آئے گا —— ہر صورت مجھے اس سے یہ روداد کہنی ہو گی، جب یہ بات ہے تو بجائے اس کے کہ وہ یہاں آنے کی زحمت اٹھائے، کیوں نہ میں اس کے حضور میں پہنچ کر بے کم و کاست سارے واقعات بتا دوں؟

صبح ہوتے ہی شریف جلیس ابوالحسن کے پاس پہنچا، ابوالحسن ایک نہایت آرام دہ اور پر فضا گوشۂ محل میں، خلیفہ کے مہمان خاص کی حیثیت سے مقیم تھا، اور غلام خلیفہ کے التفات خاص کے باعث اس کا بہت زیادہ ادب و احترام خادموں اور غلاموں کا پہرے کا پہرا ہر وقت مؤدب اور دست بستہ اس کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ ابوالحسن نے حکم دے رکھا تھا، جیسے ہی شریف جلیس آئے فوراً خدمت میں پہنچایا جائے، چنانچہ جیسے ہی اس نے ڈیوڑھی پر قدم رکھا، فوراً ہاتھوں ہاتھ، وہاں پہنچا دیا گیا!

ابوالحسن نے اسے آتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ قیافہ شناس بھی غضب کا تھا صورت دیکھتے ہی تاڑ گیا۔ کامرانی کی بشاشت کے بجائے ناکامی کی حسرت اس کے چہرے پر برس رہی تھی، چنانچہ اس صورت حال کے لئے تیار ہو کر وہ اس کے خیر مقدم کو بڑھا، معانقہ کیا، اور ہاتھ پکڑے پکڑے، مسند پر لا کر بٹھایا، اس کا اشارہ پاتے ہی، تمام خدام چلے گئے، اب اس کمرے میں بالکل تنہائی تھی، پھر بھی سرگوشی کے لب و لہجہ میں دونوں کے مابین گفتگو شروع ہوئی!

ابوالحسن نے بڑی سنجیدگی، اور بے پرواہی کے ساتھ کہا۔
ابوالحسن:۔ کہو خلیفہ کا مزاج اب کیسا ہے؟ ــــ رات کیا تم دیر سے واپس ہوئے تھے؟
شریف جلبیس نے پہلو بدلتے ہوئے اور ناخوشگوار باتوں کیلئے اپنے تئیں تیار کرتے ہوئے کہا
شریف جلبیس:۔ جی ہاں رات کو دیر سے واپس ہوا، میں نے خیال کیا شاید آپ استراحت کر رہے ہوں اسی خیال سے نہیں آیا۔ خلیفہ کا مزاج جیسا چاہیئے تھا ویسا تو اچھا نہیں لیکن ٹھیک ہے
ابوالحسن:۔ وہ تو اسی وقت ٹھیک ہوگا۔ جب اُسے ذہنی کوفت اور مصیبت سے نجات ملے گی۔
شریف جلبیس:۔ بجا ارشاد ہوا۔ خلیفہ کی اصل بیماری یہی ہے،
ابوالحسن:۔ اور اس بیماری کے دور کرنے کا میں تہیہ کر چکا ہوں ــــ ہر قیمت پر حتیٰ کہ جان کی بازی لگا کر بھی!
یہ الفاظ سن کر، جلبیس کے دل میں ابوالحسن کی ہمدردی، اور زیادہ بڑھ گئی۔ پھر سوچنے لگا جو خبر میں لایا ہوں، اسے سن کر بے چارے کے دل پر کیا گزرے گی، ابوالحسن نے اس کی ذہنی کشمکش تاڑ لی اور بہت پرسکون لہجہ میں کہا۔
ابوالحسن:۔ میرے معروضات تم نے خلیفہ کی بارگاہ میں پہنچا دیئے تھے؟
شریف جلبیس:۔ جی ہاں ــــ ایک ایک بات میں نے عرض کر دی تھی ــــ؛
ابوالحسن نے سوچا، اگر یہ کامیاب آیا ہوتا، تو آتے ہی داستان سرائی شروع کر دیتا، ناکام آیا۔ وہ اسی لئے چھپا چھپا کر باتیں کر رہا ہے لیکن وہ، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا، اس نے فوراً گفتگو کا پہلو بدلا، اور گفتگو بالکل دوسرے انداز میں شروع کر دی۔

ابوالحسن: (تم نے ولایت عہد کا قصّہ بھی چھیڑ دیا ہوگا ——— کیوں؟ —

شریف جلبیس: (جی ہاں میں نے عرض کر دیا تھا، اور خلیفہ عاضد

ابوالحسن: (بات کاٹ کر) خلیفہ نے انکار کر دیا ہوگا؟ ——— تمہارے جا

کے بعد میں نے سوچا، یہ مطالبہ تھا بھی ناواجب، اچھا ہوا، انکار کر دیا، بھلا اس

مطالبہ کے کوئی معنے بھی تھے —؟

شریف جلبیس: (خاموش ہو گیا، وہ دل میں سوچنے لگا، کتنا شریف نیک

اور مخلص ہے، یہ شخص، جس کا نام ابوالحسن ہے —!

ابوالحسن نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا،

ابوالحسن: (خلیفہ نے انکار کر دیا اچھا کیا، بلکہ اگر وہ منظور کر لیتے، تو میں خود اس

بارگراں کے اٹھانے سے انکار کر دیتا، لیکن خلیفہ کے چشم وابرو سے کسی طرح کی برائی

نفرت، یا خفگی کا اظہار تو نہیں ہو رہا تھا؟

شریف جلبیس: (بالکل نہیں ——— خلیفہ تو آپ کے بہت زیادہ مداح اور قدر

شناس ہیں، ان کے دل میں آپ کی جتنی جگہ ہے شاید ہی کسی کی ہو!

ابوالحسن: (بندہ نوازی ہے امیرالمومنین کی، ورنہ من آنم کہ من دانم، کہاں مجھ جیسا

ناکارہ، کہاں امیرالمومنین جیسی بابرکت اور باجبروت شخصیت، ان دونوں کا مقابلہ کیا

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک،

اچھا تو اس بات کو ماننے سے خلیفہ نے انکار کر دیا؟ بہت اچھا کیا، اس

مہمل مطالبہ کا اس سے بہتر جواب اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا؟ ———

شریف جلبیس: (جی انکار تو نہیں کیا لیکن

ابوالحسن :۔ کوئی بات نہیں، کوئی بات نہیں، لیکن بات ایک ہی ہے تم یقین کرو، اس انکار کا مجھے کوئی صدمہ نہیں ہے بلکہ خوشی ہے

جلیس خوشی کا نام سن کر چونک پڑا۔ وہ اپنی حیرت چھپا نہ سکا — اس نے پوچھا۔

شریف جلیس :۔ آپ خوش ہیں —؟

ابوالحسن :۔ ہاں —— جانتے ہو کیوں؟

شریف جلیس :۔ بالکل نہیں —— لیکن جاننے کا اشتیاق ہے!

ابوالحسن :۔ اس لیئے کہ اب میں خلیفہ کی بے غرض خدمت کر سکوں گا، اب تک میرے جذبۂ خدمت میں غرض کا شائبہ تھا، لیکن اب میں نے اسے نکال پھینکا، اور سچ تو یہ ہے میاں جلیس اصلی خدمت وہی ہوتی ہے، جو بے غرض ہو، جس خدمت میں غرض شامل ہو، وہ خدمت نہیں رہ جاتی، — اسے پھر کاروبار ہی کہا جا سکتا!

ابوالحسن کی یہ باتیں سنکر جلیس اپنے دل میں عش عش کر اٹھا، اللہ اللہ یہ آدمی ہے یا فرشتہ؟ — میرے خیال میں فرشتہ بھی اتنا بے غرض نہیں ہو سکتا! حیف ہے کہ ایسا آدمی خلیفہ مقرب نہ بن سکے —!

ابوالحسن شریف جلیس کی کیفیت کو اچھی طرح بھانپ رہا تھا اس نے پھر پہلو بدلا اور کہا،

ابوالحسن :۔ اور ہاں —— وہ سیدة الملک والی بات بھی، تم نے امیرالمومنین کے گوش گزار کر دی تھی؟

شریف جلیس :۔ جی ہاں، وہ بات بھی میں نے عرض کر دی تھی۔ خلیفہ کو تو اس کے ماننے میں نہ صرف کوئی تامل نہیں تھا، بلکہ مسرت بھی تھی، انھوں نے بڑے پر جوش انداز میں تائید کی اور آپ کے فضائل و محامد بیان کئے، بلکہ سیدة الملک سے اصرار کیا، لیکن ——

ابوالحسن :۔ ہاں میں سمجھ گیا ، سیدۃ الملک نے انکار کر دیا ہوگا؟

شریف جلبیس :۔ جی ہاں ــــ یہی واقعہ ہوا ــ

ابوالحسن :۔ اور اس کے انکار پر امیر المومنین نے بھی سکوت اختیار کر لیا ہوگا ــ!

شریف جلبیس :۔ شروع میں تو انھوں نے بہت زور دیا ، پھر خاموش ہونا پڑا ــــ

ابوالحسن :۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ، کہ سیدۃ الملک مجھے اتنا حقیر اور کم مایہ کیوں سمجھتی ہے

شریف جلبیس :۔ میں خود اس بات پر حیران ہوں ابوالحسن آخر وہ کس سے شادی کرنا چاہتی ہے

شریف جلبیس :۔ کسی سے بھی نہیں

ابوالحسن :۔ کیسی بچوں کی سی باتیں کرتے ہو؟ ــــ یہ ہو سکتا ہے بھلا؟

شریف جلبیس :۔ ان کی گفتگو سے تو یہی اندازہ ہوا ــــ وہ خلیفہ عاضد سے کہہ رہی تھیں ، میں شادی ہی نہیں کرنا چاہتی سرے سے "!

ابوالحسن :۔ غلط ــــ میرے خیال میں تو کچھ دال میں کالا ہے !

شریف جلبیس :۔ یعنی ــــ یعنی ــــ یعنی ــــ؟

ابوالحسن :۔ ہاں ــــ وہ ضرور کسی سے محبت کرتی ہے قطعاً کسی اور کو چاہتی ہے

شریف جلبیس :۔ یہ بات آسانی سے باور نہیں کی جا سکتی ، محل میں کون ہے جو شہزادی سے پینگ بڑھا سکے؟ ــــ کیا ایسا آدمی زندہ بھی رہ سکتا ہے ــ؟

ابوالحسن :۔ محل میں ایسا کون ہے یہ تو میں نہیں جانتا ــــ لیکن غالباً جلد ہی میں جان لوں گا ، وہ کون ہے یا کون ہو سکتا ہے ــ؟

شریف جلبیس :۔ بڑی عجیب بات ہوگی یہ "!

ابوالحسن :۔ اور افسوسناک بھی ــــ خود شہزادی سیدۃ الملک بھی ایک دن آئے

جب اس بات پر بنا سفت ہو گی، اس نے مجھے کیوں ٹھکرا دیا؟

شریف جلبیس :۔ کاش تلافی کا وقت گزرنے سے پہلے وہ محسوس کر لیں!

ابوالحسن :۔ یہ قضا و قدر کے معاملات ہیں ہمارے تمہارے چاہے سے کچھ نہیں ہو سکتا!

شریف جلبیس :۔ بے شک ــــ مجھے حیرت اور افسوس اس پر ہے کہ شہزادی سیدۃ الملک خلیفہ المسلمین، امیر المومنین کو بھی خاطر میں نہیں لاتیں۔

ابوالحسن :۔ ہاں ــــ اور یہ خلیفہ کی کمزوری ہے جو شخص اپنے گھر پر اختیار نہیں رکھتا، وہ حکومت اور ملک پر کیا اختیار رکھ سکے گا؟

شریف جلبیس :۔ میں بھی یہی سوچتا ہوں ــــ واقعہ یہ ہے کہ شہزادی نے آپ کو ناپسند کر کے اپنا بھی نقصان کیا ہے، اپنے بھائی کا بھی، اور خلافت فاطمی کا بھی۔

ابوالحسن :۔ یہ کیوں؟ ــــ میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

شریف جلبیس :۔ آپ نے ان سب کی بہتری کے کیسے کیسے منصوبے بنائے تھے

ابوالحسن :۔ (تلخ تبسم کے ساتھ) بڑے نادان ہو تم بھی ــــ کتنی مرتبہ کہوں، میں ان باتوں سے خوش ہوں، ان باتوں سے میرے اخلاص پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا ــــ بلکہ اب اور زیادہ جوش اور بے لوثی کے ساتھ اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہناؤں گا!

شریف جلبیس :۔ یہ عالی ظرفی کی انتہا ہے ــــ ہمیشہ سے آپ کی عزت و عظمت کرتا ہوں، لیکن اس بے لوثی نے میرے دل میں آپ کی عقیدت بھی پیدا کر دی ہے

ابوالحسن :۔ ایسی باتیں نہ کرو، اس طرح تم میرے اخلاص کو، بے لوثی کو، سچائی کو متزلزل کرنا چاہتے ہو، لیکن ایسا نہیں ہو سکتا۔ کسی تمنا، کسی آرزو، کسی مطالبہ اور کسی خواہش کے بغیر میں خلیفہ عاضد کی خدمت کروں گا، اس کے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔ اس کے

اقتدار و اختیار کی بحالی کے لئے دنیا کی ہر طاقت سے مقابلہ کروں گا نتیجہ خواہ کچھ ہی ہو۔

یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

شریف جلبیس:۔ جزاک اللہ، مرحبا، عالی ظرف والا حسب اور اشراف کو ایسا ہی ہونا چاہیئے، جیسے آپ ہیں، آپ جیسے چند نفوس بھی اگر ہم میں ہوتے، تو یہ روزِ بد ہمیں نہ دیکھنا پڑے جو آج دیکھ رہے ہیں۔ اور جس نے نکبت و ادبار کا شکار بنا رکھا ہے۔

ابوالحسن:۔ انتظار کرو۔۔ خزاں کے بعد بہار آتی ہے، تاریکی کے بعد روشنی پھوٹتی ہے ہر زوال، عروج کا پیش خیمہ ہوتا ہے، ہر موت نئی زندگی کی پیامبر ہوتی ہے۔

شریف جلبیس:۔ اب تو جو توقع ہے، وہ صرف آپ کی ذات سے ہے،

ابوالحسن:۔ اب تم ایک کام کرو۔۔۔۔۔

شریف جلبیس:۔ جو ارشاد، دل و جان سے تعمیل حکم کروں گا، فرمایئے

ابوالحسن:۔ تم خلیفہ کے پاس جاؤ، اور اسے میرا پیام پہنچا دو، کہ میں ہر مطالبہ سے، ہر خواہش سے دست بردار ہوتا ہوں، اور عہد کرتا ہوں کہ جو وعدہ کر چکا ہوں، اسے انجام تک پہنچا کر دم لوں گا،

شریف جلبیس:۔ بہت خوب،

ابوالحسن:۔ کب جاؤ گے؟

شریف جلبیس:۔ اگر آپ فرمائیں تو ابھی؟

ابوالحسن:۔ ہاں ابھی جاؤ۔ اور سیدۃ الملک کی موجودگی میں یہ باتیں کہو،

شریف جلبیس:۔ بہت بہتر۔۔۔ ابھی چلا،!

بد فطرت!

شریف جلبیس کے جانے کے بعد ابوالحسن کی حالت قابل دید تھی۔ غصہ سے اس کے نتھنے پھڑپھڑا رہے تھے، چہرہ سُرخ ہو رہا تھا، آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، بدن کانپ رہا تھا اور بے حال ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت اگر اس کے سامنے کوئی آجائے، تو اس کی بوٹیاں بوٹیاں کاٹ کر پھینک دے گا۔!

وہ بے تابی کے عالم میں اٹھا اور ٹہلنے لگا۔ کمر پہ ہاتھ رکھ کر وہ تیزی سے ٹہل رہا تھا، اور دانت کٹکٹا کٹکٹا کر کہہ رہا تھا۔

العاضد نے مجھے ولی عہد بنانے سے انکار کر دیا ـــــ لیکن وہ دن بہت جلد آنیوالا ہے جب وہ مجھے تخت خلافت پر جلوہ گر دیکھے گا ـــــ اور وہ ہاں وہ سیدۃ الملک، بدفطرت خبث النفس سے جس نے مجھے ٹھکرا دیا۔ لیکن یہی عورت میرے قدموں پر سر رکھے گی۔ میری منت اور خوشامد کرے گی، میری نگاہ لطف کی التجا کرے گی۔

خلیفہ کے انکار سے مجھے صدمہ پہنچا، لیکن اتنا نہیں جتنا اس کمینی عورت کے انکار نے مجھے صدمہ پہنچایا ہے، اس نے میری توہین کی، تذلیل کی۔ مجھے حقیر اور ہیچ سمجھا ـــ مجھے خود میری نگاہوں میں ذلیل کیا، ـــــ شاید سیدۃ الملک یہ خیال کرتی ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں عاشق ہوں اس کا ـــــ ہونہہ، میں، اور عشق؟ میں اور محبت؟ میری لغت میں یہ الفاظ ہی نہیں ہے، میں کسی سے محبت نہیں کرتا۔ سوا اپنے مقصد کے، ہر اس ہستی سے نفرت کرتا ہوں جو میرے مقصد کی مخالف ہو، میں سیدۃ الملک سے صرف اس لئے شادی کرنا چاہتا ہوں کہ وہ حسین و جمیل

ہے، خوب رو اور خوش اندام ہے، یہ پسندیدگی ہے، محبت نہیں۔۔۔عورت سے محبت کرنا حماقت ہے جہالت ہے، سفاہت ہے، یہ محبت آدمی کو اندھا کر دیتی ہے کہیں کا نہیں رکھتی اس کے عزائم کمزور پڑ جاتے ہیں، اس کی قوت عمل ضائع ہو جاتی ہے نہیں میں سیدۃ الملک سے محبت نہیں کرتا، میں کسی عورت سے بھی محبت نہیں کر سکتا۔۔۔میں بہت بڑا، اور عظیم مقصد اپنے سامنے رکھتا ہوں، صلاح الدین کا قتل۔۔۔۔یہ بے وقوف شریف جلیس سمجھتا ہے کہ میں صلاح الدین کے خون کا اس لئے پیاسا ہوں کہ عاضد کو تخت اقتدار پر بحال کر دوں یہ کام میں اس لئے کر رہا ہوں کہ سیدۃ الملک کی خوشنودیٔ مزاج حاصل کر کے اس کے دل میں جگہ بنالوں۔۔۔غلط بالکل غلط، ان دونوں کی حیثیت میرے نزدیک مچھر سے زیادہ نہیں ہے یہ جو کچھ میں کرنے والا ہوں، نہ عاضد کے لئے، نہ سیدۃ الملک کے لئے۔۔۔۔صرف اپنے لئے میں اپنے لئے میدان صاف کرنا چاہتا ہوں، میں اپنے لئے فضا ہموار کرنا چاہتا ہوں اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالنا چاہتا ہوں، اب تخت خلافت میرا ہوگا۔ امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین میں بنوں گا، اقتدار و اختیار کی باگ میرے ہاتھ میں آئے گی۔؟

صلاح الدین کو لقمۂ اجل بنانے کے بعد، جس کی گردن کا شکار میری تلوار کرے گی وہ ہوگا عاضد۔۔۔ہاں عاضد خلیفۃ المسلمین، امیرالمومنین، جو اس وقت نام نہاد طور پر مسند خلافت پر متمکن ہے، خلافت اس کا حق نہیں میرا حق ہے۔۔۔صرف میرا، اور یہ مجھی کو ملے گا۔۔۔جو بھی میرے راستہ کا پتھر بنے گا۔ اس کی گردن اڑا دوں گا، اسے قتل کر دوں گا، اسے ہلاک کر دوں گا۔۔۔وہ سیدۃ الملک جو اپنے تئیں نہ جانے کیا سمجھتی ہے، آج جو چاہے، سمجھ لے لیکن کل میرے حضور میں حاضر ہونا پڑے گا۔ سرِ ندامت جھکا کر عفو تقصیر کی التجا کرتے ہوئے، لیکن اس وقت ندامت بے کار ہوگی، عفو درگزر کا وقت گزر چکا ہوگا؛ اسے ذلت اور ندامت کے عالم میں

میرے پاس، میرے ساتھ رہنا پڑے گا ـــــ کتنا عبرت ناک ہوگا وہ وقت!

بڑی دیر تک اس حالت میں رہنے کے بعد، اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، لباس بدلا اور کوئی بات سوچنے لگا، جس سے سیدۃ الملک کی برہمی میں اور زیادہ تندی پیدا ہو جاتے، لباس تبدیل کرکے وہ باہر آیا، خچر پر بیٹھا اور اس محل کی طرف چل پڑا۔ جہاں صلاح الدین، نجم الدین، اور باڈی گارڈ کے سوار اقامت گزین تھے، صلاح الدین کے حاضر باشوں میں ایک شخص عیسیٰ الہکاری تھا۔ صلاح الدین اس پر بہت زیادہ بھروسہ کرتا تھا، اس کی نوازش اور لطف وکرم نے اسے امرائے دولت میں ایک نمایاں اور ممتاز حیثیت کا حامل بنا دیا تھا۔ پہلے شہر حلب میں فقہ کے درس وتدریس کا کام کرتا تھا، اپنے فن میں ماہر تھا۔ اتفاق کی بات اس کی ملاقات، اسدالدین سے ہوئی، جو صلاح الدین کا چچا تھا، اسدالدین اس سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنے محل کا امام بنا لیا۔ جہاں یہ پانچوں وقت کی نماز پڑھایا کرتا تھا، پھر بہاء الدین قراقوش کے ساتھ جب اسدالدین مصر پہنچا۔ تو عیسیٰ کو بھی ساتھ لایا، اس لئے، اس لئے کہ صلاح الدین اس اثنا میں اس سے کافی مانوس ہو گیا تھا، پھر جب اسدالدین کا انتقال ہو گیا، صلاح الدین کو اس کا جانشین بنانے میں سب سے بڑا ہاتھ قراقوش اور عیسیٰ الھکاری ہی کا تھا[۱] صلاح الدین اس کارنامہ سے اتنا متاثر ہوا، کہ اپنے تئیں عیسیٰ کا زیر بار احسان سمجھنے لگا۔ اور عیسیٰ کی جرأت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہر بات بڑی بے تکلفی سے اس کے سامنے کہہ گزرتا، جب کبھی صلاح الدین برہم ہوتا تھا اور لوگوں کو اس کے حضور میں یارائے دم زدن نہ ہوتا، عیسیٰ اس بے تکلفی اور اور بے جستگی سے باتیں کرتا کہ جیسے کوئی خاص بات ہی نہیں ہے ایک بات اور بھی تھی عیسیٰ حسب نسب کے اعتبار سے علوی تھا۔ اس لئے بھی صلاح الدین اس کا بہت زیادہ لحاظ کرتا تھا۔ غرض

(۱) ملاحظہ ہو ابن خلکان صفحہ ۴۹۳ ج ۱

عیسٰے صلاح الدین پر چھایا ہوا تھا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا وہی ہوتا تھا۔

ابوالحسن، بڑا شاطر اور چالاک شخص تھا۔ ایک طرف تو وہ صلاح الدین کی بیخ کنی او عاضد کے قتل اور اپنی تاجوری کی کوشش کر رہا تھا، دوسری طرف، وہ صلاح الدین کے مخصوص آدمیوں سے بھی کافی ربط ضبط رکھتا تھا، چنانچہ عیسٰے الھکاری سے بھی بڑے ا روابط تھے۔ اور عیسٰی اس کی قابلیت، سمجھ، فراست اور فکر و رائے کی اصابت کا بہت معترف تھا!— ان دونوں میں اکثر ملاقات ہوا کرتی تھی، بلکہ عیسٰی تو اس فکر میں تھا کہ مناسب موقعہ پر سفارش کر کے ابوالحسن کو کسی اچھے اور بڑے منصب پر فائز کرا دے اور شاید یہ بات اب تک ہو بھی چکی ہوتی، لیکن ابوالحسن کی ہچکچاہٹ اب تک آڑے آتی رہی تھی، ابوالحسن صلاح الدین کا سامنا کرنے، اور اس کے روبرو پیش ہونے سے ڈرتا تھا۔ آج کل عیسٰے کا قیام قصر لولو (موتی محل) ہی میں تھا، اور وہ ان مشوروں میں برابر کا شریک تھا۔ جو صلاح الدین اور نجم الدین کے مابین ہوا کرتے تھے۔ بلکہ خود بھی مشورے دیا کرتا تھا۔ اور ان مشوروں کو نجم الدین بھی بڑی اہمیت دیتا تھا۔ اور صلاح الدین کے لئے تو یہی کافی تھا۔ کہ یہ بات عیسٰی نے کہی ہے۔

ابوالحسن، اپنی قیام گاہ سے نکل کر، سیدھا قصر لولو کی طرف بڑھا، وہ خاص طور پر عیسٰی کے پاس جانا نہیں چاہتا تھا، اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرف گزرتے ہوئے عیسے اگر کہیں ٹہلتا ہوا یا ادھر اُدھر آتا جاتا مل جائے، اور ملاقات ہو جائے، تو یہ ملاقات بالکل "اتفاقی" ہوگی۔ یعنی عیسٰی یہ نہیں سمجھے گا۔ کہ وہ خاص طور پر اس سے ملنے آیا تھا، گفتگو کا آغاز ادھر ادھر کی باتوں سے ہوگا۔ اور پھر رفتہ رفتہ مقصد کی باتیں شروع ہو جائیں گی! ابوالحسن نے قصر لولو میں قدم رکھتے ہی خدام سے عیسٰے کے بارے میں دریافت کیا، معلوم ہوا،

دارالعلوم میں ہے ـــــ دارالعلوم، اسی قصر کے اندر ایک شاندار کتب خانہ تھا۔ اس کی تعمیر الحاکم بامر اللہ کے جذبۂ علمی کی رہین منت تھی، اس میں بڑی نایاب کتابیں بہ تعداد کثیر اس نے فراہم کی تھیں۔ اور انھیں اہل علم کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ہر علمی آدمی کو عام اجازت تھی، کہ جب چاہے آئے، جتنی دیر تک چاہے مطالعہ کرے، جس کتاب سے چاہے اخذ و اقتباس کرے، اخذ و اقتباس کے لئے، قلم، دوات اور کاغذ بھی حسب ضرورت مہیا رہتا تھا، اس کتب خانہ کے مصارف کے لئے الحاکم نے بہت بڑی جائداد بھی وقف کر دی تھی، تاکہ کارِ خیر طور پر اہل علم کی کارگزاریوں کا سلسلہ یہاں سے برابر جاری رہے لیکن بعد میں یہ کتب خانہ، مناظرہ اور مجادلہ کا مرکز بن گیا ـــــ ابن امیر امیر الجیوش کے عہد میں، اس مناظرہ اور مجادلہ نے فتنہ کی صورت اختیار کر لی، آخر اس نے عام استعمال کی اجازت واپس لے لی، اور صرف خاص خاص لوگوں کو اس سے استفادہ کرنے کی اجازت قائم رکھی، ابوالحسن کو جب یہ معلوم ہوا کہ علیسٹے اس وقت کتب خانہ میں ہے تو وہ بہت خوش ہوا، اس لئے کہ اتفاقی ملاقات کی اس سے بہتر کوئی صورت نہیں نکل سکتی تھی، چنانچہ وہ سیدھا کتب خانہ کی طرف بڑھا اور جلد ہی وہاں پہنچ گیا، لیکن دروازے پر دربان موجود تھا، وہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

بغیر اجازت نامہ کے اندر نہیں جا سکتے آپ!

ابوالحسن یہ سنکر تلملا گیا، اسے اپنی توہین پر غصہ آیا، لیکن پی گیا، کیوں کہ وہ اس طرح اپنے آپ کو چشم مردم سے پوشیدہ رکھتا تھا دربان کے نہ پہچان سکنے پر اسے بے گناہ قرار دیا اور بڑی نرمی اور ملائمت کے ساتھ کہا ـــــ

"بھئی مجھے کچھ کتابیں پڑھنا ہیں، سرسری مطالعہ کر کے واپس چلا جاؤں گا ـــــ!"

لیکن دربان ٹس سے مس نہ ہوا، اس نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا، "ناممکن ـــــ آپ

کسی طرح اندر نہیں جا سکتے۔ ۔۔۔ میں قاعدہ سے مجبور ہوں!"

ابوالحسن نے مفاہمانہ انداز میں کہا

لیکن ابھی تو ایک شخص اندر گیا ہے وہ جا سکتا ہے، میں نہیں جا سکتا، آخر کیوں ۔۔۔!

دربان نے جواب دیا،

"جو صاحب اندر تشریف لے گئے ہیں وہ کوئی معمولی شخص نہیں، فقیہہ ضیاءالدین عیسیٰ الھکاری ہیں ۔۔۔

ابوالحسن کو موقعہ مل گیا۔ اس نے کہا۔

اوہ، وہ تو میرے دوست ہیں یا تو ان سے کہو، ابوالحسن اندر آنا چاہتا ہے اگر وہ بلائیں تو جانے دینا ورنہ میں واپس چلا جاؤں گا۔!

کچھ پس وپیش کے بعد دربان اندر چلا گیا، ذرا دیر میں واپس آیا، لیکن تنہا نہیں، بلکہ اُس کے ساتھ وہ خود چلا آیا تھا، ابوالحسن کا نام سنکر، وہ لپک کر ابوالحسن سے ملا، معانقہ کیا، مصافحہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا، راستہ میں ابوالحسن نے کہا۔

"اس وقت فوجی لباس آپ کے زیب تن ہے اور سر پر عمامہ بھی ہے، گویا بیک وقت آپ سپاہی بھی ہیں۔ اور فقیہہ بھی، سمجھ میں نہیں آتا، آپ سے کس حیثیت سے گفتگو کی جائے؟"

عیسیٰ ہنسنے لگا، اس نے کہا۔

"یہ علم کدہ ہے، کتب خانہ ہے، یہاں میری حیثیت صرف ایک فقیہہ ہی کی ہے ۔۔۔ لیکن تم یہاں کیسے آ گئے؟"

ابوالحسن نے جواب دیا۔

"کچھ کتابوں کے مطالعہ کا شوق لے آیا، اس وقت آپ اپنا کام کیجئے میں حارج نہ ہوں گا"

عیسیٰ نے ایک الماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

• شاید تم کسی لغوی مسئلہ کی تحقیق کے لئے آئے ہو ـــــ اس میں بہت سے نادر لغت موجود ہیں

ابوالحسن نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔

"نہیں لغت سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں، میں ایک تاریخی مسئلہ کی تحقیق کے لئے آیا ہوں!

عیسیٰ کو حیرت ہوئی، وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"کیا ہے وہ تاریخی مسئلہ؟"

ابوالحسن نے کہا

"سلاطین آل سلجوق کی تاریخ دیکھنا چاہتا ہوں ـــ کیسے عجیب لوگ تھے یہ بھی"

عیسیٰ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا

ہاں ـــــ

اگرچہ تھے صفحۂ ہستی پر وہ اک حرف غلط

لیک اُٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے رہے

شاید تم نظام الملک طوسیؒ کے اسباب قتل کی تلاش کرنا چاہتے ہو ـ؟

ابوالحسن نے کہا

آپ کا خیال صحیح ہے، میں اس مسئلہ کو دیکھنا چاہتا ہوں!

عیسیٰ نے کہا۔

واقعی نظام الملک کا قتل ایک بڑا دردناک سانحہ ہے ـ خیر آؤ تمہیں تاریخی سیکشن کی طرف لے چلتا ہوں وہاں تمہیں کتابیں ضرور مل جائیں گی جو اس مسئلہ کو زیادہ خوبی کے ساتھ واضح کر سکیں گی۔

ابوالحسن اس کے ساتھ ہو لیا ہال کے بازو میں متعدد کمرے تھے ابوالحسن کو ساتھ لیکر اسمیں سے ایک کمرہ میں پہنچا

شبطان

ابوالحسن اور عیسیٰ الھکاری، کتابوں کی ورق گردانی بھی کر رہے تھے اور آپس میں
بھی کرتے جاتے تھے، ابوالحسن نے بہت سی کتابیں الٹ پلٹ ڈالیں لیکن کسی کتاب سے کوئی اق
نہیں لیا، آخر عیسےٰ نے پوچھا۔

"کیا تلاش کر رہے ہیں آپ ــــ گوہر مقصود ملا یا نہیں؟"

ابوالحسن نے بے دلی کے ساتھ، ایک کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں ــــ مجھے طغرل بک کے حالات کی تلاش ہے، جو دولت سلجوقیہ کا بانی تھا اور جس
ایسے اولوالعزم خاندان کی بنا ڈالی، جو ایک عرصۂ دراز تک دنیا کو یاد رہے گا۔"

عیسےٰ نے کہا، ہاں مانتا ہوں، نہ صرف طغرل بلکہ خاندان کے دوسرے افراد نے بھی
شجاعت، اور غیرت دلیری اور ہمت کے ایسے نمونے دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں جو فراموش
نہیں کئے جا سکتے :۔

ابوالحسن نے دور خلا کی طرف گھورتے ہوئے کہا

"ہاں، یہی بات ہے ــــ لیکن طغرل کے حالات ان کتابوں میں نہیں ملتے،"!

عیسےٰ نے دریافت کیا،

آخر ایسی کون سی ضرورت آن پڑی ہے، جو اس کے حالات کے آپ درپے ہو
ہیں؟ ــــ اس وقت نہ سہی، پھر کسی وقت سہی، بہر حال، جو ئندہ یا بندہ"!

ابوالحسن نے کتابوں کو الگ رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں پھر صبر ہی سے کام لینا پڑے گا فی الحال! —— بات یہ ہے کہ مجھے بہادر اور دلیر ر لوگوں کی شخصیت سے اور ان کے احوال و سراغ سے بڑی غیر معمولی دلچسپی ہے —————— جو آج سے نہیں ہمیشہ سے!

عیسیٰ نے مسکراتے ہوئے ابوالحسن سے کہا

"لیکن بہادری اور دلیری کا طغرل پہ خاتمہ تو نہیں ہوگیا ہے! —— ہر دور میں بہادر اور دلیر لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں، تلاش کیجئے، تو اس دور میں بھی آپ کو ایسی شخصیتیں مل جائیں گی، جو کسی طرح طغرل سے کم پایہ نہیں ہیں!

ابوالحسن یہ سنکر چونک پڑا، اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا "مثلاً —————— ؟"

بے ساختہ عیسیٰ الھکاری نے جواب دیا

"مثلاً صلاح الدین —— کیا آپ کو میری رائے سے اختلاف ہے؟"

ابوالحسن نے اپنے چہرے پر کوئی کیفیت طاری کئے بغیر کہا،

"بالکل نہیں —— حقیقت سے انکار کیوں کر ممکن ہے؟"

دفعتہً عیسےٰ الھکاری ایک الماری کی طرف گھورتا ہوا اٹھا، لپک کر ایک کتاب نکالی اور ابوالحسن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ لو —— اس میں تمہیں طغرل کے حالات مل جائیں گے!"

ابوالحسن نے بیتابی کے ساتھ وہ کتاب لے لی، اور ورق گردانی کرتے کرتے ایک صفحہ پر نظر جما دی، عیسیٰ الھکاری دوسری کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگا۔ لیکن جب بھی اس کی نظر اٹھی، تو اس نے محسوس کیا، ابوالحسن ایک ہی صفحہ کو بار بار پڑھ رہا ہے یہ کیفیت دیکھ کر عیسیٰ کے دل میں تجسس پیدا ہوا۔ لیکن یہ اسے اچھا نہ معلوم ہوا کہ وہ اس سلسلہ میں اس سے

کچھ دریافت کرے۔ تھوڑی دیر کے بعد ابوالحسن نے وہ کتاب پڑھ کر ایک طرف رکھ دی
اب اپنے شوقِ تجسس کو ضبط نہ کر سکا۔ اس نے بظاہر بے پروائی سے وہ کتاب اٹھالی، پہلے
کے اوراق الٹتا پلٹتا رہا، پھر وہی صفحہ کھول لیا، جسے بڑے انہماک اور استغراق کے ساتھ
بڑی دیر تک پڑھتا رہا تھا۔

اس صفحہ پر وہ واقعہ مرقوم تھا جو خاندان عباسیہ کے زوال، مجبوری، بے کسی
بسی کی منہ بولتی تصویر تھا۔ دولت سلجوقیہ کے بانی طغرل نے، خلیفہ بغداد، قائم بامر اللہ
استدعا کی تھی کہ وہ اپنی لڑکی کی اس سے شادی کر دے، خلیفہ ہرگز اپنی اس توہین پر رضامند
وہ کسی قیمت پر اسے گوارا نہیں کر سکتا تھا، کہ عباسی دودمان کی ایک لڑکی، اور وہ بھی کسی
نہیں، خود خلیفہ کی ایک ترک سے بیاہی جائے، امرائے دربار، ارکان خاندان اور ارباب
عقد بھی اس شادی کے مخالف تھے، اُن کی غیرت اسے گوارا نہیں کرتی تھی کہ ایک عباسی
ایک ترک کے گھر میں بیاہ کر جائے، لیکن طغرل کی ہیبت وصولت کے آگے سب
تھے۔ کسی میں یارائے تکلم نہ تھا، خلیفہ قائم نے ہمت کر کے طغرل سے بڑے مسکین انداز
التجا کی کہ وہ اس ارادہ سے باز آجائے، لیکن وہ نہ مانا، ظاہر وہ یہ کرتا تھا۔ کہ اس شادی
سے میرا مقصد عباسیت کا شرف حاصل کرنا ہے اور حقیقتہً اس کا مقصد یہ تھا
شہزادی کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہو گا۔ اسے بآسانی خلیفہ بنایا جا سکے گا۔ اس طرح خلافت
عباسی خاندان سے نکل کر طغرل کے خاندان میں آجائے گی، بہر حال القائم نے مجبوراً
یہ درخواست مان لی۔ اور دونوں کا نکاح ہو گیا (۱) یہ دوسری بات ہے کہ رخصتی سے
خود طغرل کا انتقال ہو گیا، اور یہ مسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی،

---

(۱) تاریخ الدولۃ السلجوقیہ صہ ۱۸

ابوالحسن بڑی دلچسپی سے یہ دیکھ رہا تھا کہ عیسیٰ وہی صفحہ پڑھ رہا ہے جو وہ چاہتا تھا کہ پڑھے جب عیسےٰ نے یہ صفحہ پڑھ لیا اور کتاب بند کی، تو ابوالحسن نے کہا۔

شاید آپ طغـــرل کا واقعہ پڑھ رہے تھے؟"

عیسیٰ نے اثبات میں جواب دیا،

ہاں ــــ طغرل اور خلیفہ قائم بامراللہ کی لڑکی کا افسانہ دیکھ رہا تھا۔ عجیب بات ہے

ابوالحسن نے کہا۔

" عجیب بات کیا ہے؟ ــــ طاقت کے کرشمے ہیں یہ سب ــــ اور ذرا اس پر تو غور کیجئے اس معمولی سی ترکیب سے طغرل کہاں سے کہاں پہنچ جانا چاہتا تھا؛

عیسیٰ:۔ ہاں یہ تو ہے۔

ابوالحسن:۔ کیا یہ طغرل کی دوراندیشی اور اولوالعزمی، حوصلہ مندی اور غیر معمولی فراست کی دلیل نہیں ؟۔

عیسیٰ:۔ کیوں نہیں، ضرور ہے؛ ــــ اور مجھے سب سے زیادہ حیرت اس بات پہ ہے کہ طغرل خلافت کا بھی آرزومند تھا جس کی تمنا میرا جہاں تک خیال ہے کسی غیر قرشی نے آج تک نہیں کی؛

ابوالحسن:۔ جی ہاں، اور اگر وہ زندہ رہتا، تو عنانِ خلافت اپنے ہاتھ میں لے کر دنیا کو بتا دیتا کہ قوت اور طاقت کے بل پر سب کچھ کیا جا سکتا ہے ــ پھر ایک بات اور بتا دوں؟

عیسیٰ:۔ ہاں ہاں ضرور، میں بڑی دلچسپی سے تمہاری باتیں سن رہا ہوں ؛

ابوالحسن:۔ طغرل سے پیشتر بھی، ایک شخص عضدوالدولہ بویہ نے خلافت کی آرزو کی تھی، لیکن دوسری طرز پر؛

عیسےٰ :۔ وہ دوسرا طرز کیا تھا۔

ابوالحسن :۔ اس نے چاہا تھا کہ اپنی بیٹی کی شادی، خلیفہ الطائع للّٰہ سے کردے، تا

خاندان خلافت کا خون اس لڑکے کی رگوں میں گردش کرنے لگے، جو اس کی بیٹی کے بطن

سے پیدا ہوتا ـــــ لیکن طغرل ایک قدم اور آگے بڑھ گیا، اس نے خود خلیفہ کی بیٹی سے

شادی کرنے کی ٹھان لی"!

عیسےٰ :۔ ہاں ـــــ عجیب حیرت انگیز واقعہ ہے!

ابوالحسن :۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے قائم نے اس خطرہ سے کیوں کر نجات حاصل کی

عیسیٰ :۔ نہیں ـــــ میں نہیں جانتا۔

ابوالحسن :۔ کیا آپ کا خیال ہے طغرل کی موت طبعی موت تھی؟

کیا خلیفہ کی بیٹی سے جبراً شادی کرنے کے بعد بھی طبعی موت آسکتی ہے

عیسےٰ :۔ (کچھ سوچتے ہوئے) تمہارا خیال ہے کہ بے چارا طغرل ہلاک کیا گیا!

ابوالحسن :۔ مجھے کامل یقین ہے اسے زہر دے کر ہلاک کیا گیا،

عیسیٰ (عارفانہ انداز میں) ہاں ہو سکتا ہے!

ابوالحسن :۔ اگر وہ دانش مندی اور احتیاط سے کام لیتا، تو اس کا بال بھی بیکا نہیں

ہو سکتا تھا۔ اس کی حسرت پوری ہوتی، اور وہ اپنی مرادوں کو پہنچتا۔

عیسےٰ :۔ (اشتیاق کے ساتھ) کیوں کر؟ ـــــ یہ کیوں کر ممکن تھا ـــــ؟

ابوالحسن :۔ اس طرح کہ وقت سے پہلے طغرل کا منصوبہ ظاہر نہ ہوتا۔

عیسےٰ :۔ کیسے ظاہر نہ ہوتا، خلیفہ کی بیٹی سے شادی کا آخر اور مقصد بھی کیا ہو سکتا

ابوالحسن :۔ بنیادی غلطی تو یہی تھی ـــــ خاص خلیفہ کی بیٹی سے شادی کرنی ضرور

ہی کب تھی ؟ — یہی چیز تو حصول مقصد کی راہ میں رُکاوٹ تھی

عیسےٰ :۔ پھر اسے کیا کرنا چاہیئے تھا ؟

ابو الحسن :۔ اسے چاہیئے تھا کہ خلیفہ کی بیٹی کے بجائے اس کی بہن، یا کسی قریبی عزیزہ سے شادی کرتا۔

عیسےٰ :۔ اس سے کیا ہوتا ؟

ابو الحسن :۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ طغرل کا مقصد یہ ہے۔ اور جب اس لڑکی کے بطن سے لڑکا پیدا ہوتا، تو بہرحال اس کی رگوں میں خاندانِ خلافت کا خون موجود تھا۔ پھر موقعہ محل دیکھ کر آسانی سے خلافت پر ہاتھ ڈالا جا سکتا تھا — اتنا نسبی تعلق بہت کافی تھا۔

بات عیسےٰ کی سمجھ میں آگئی، اس کا ذہن فوراً صلاح الدین اور خلیفہ عاضد کی بہن سیدۃ الملک کی طرف منتقل ہوا۔ وہ سوچنے لگا، طغرل بک نے اپنی حماقت سے جو موقعہ ضائع کردیا، کیا اسے صلاح الدین حاصل کر سکتا ہے کیوں نہیں حاصل کر سکتا، خلیفہ قائم بہرحال عاضد سے زیادہ طاقتور تھا، جب وہ طغرل کے سامنے جھک گیا، تو عاضد صلاح الدین کے سامنے کیسے نہیں جھکے گا ؟ — کیا عاضد میں اتنی ہمت ہے، کہ وہ صلاح الدین کا پیام رد کرے ؟ — ہرگز نہیں وہ یہ پیام قبول کرنے اور سیدۃ الملک کی اُس کے ساتھ شادی کر دینے پر مجبور ہے — اور پھر سیدۃ الملک حسن وجمال، رعنائی وزیبائی خوب روئی، اور خوش اندامی کے اعتبار سے بھی یکتا ہے، یہ شادی اگر ہو گئی تو واقعی صلاح الدین ایک ایسی قسمت کا مالک بن جائے گا جس کا اس وقت تصور بھی نہیں کیا جا سکتا — ضرور میں یہ بات اپنے آقا صلاح الدین کے گوش گزار کردوں گا — اور یقیناً وہ میری اس تجویز پر صاد کرے گا —

— اس سے بہتر کوئی تجویز ہو ہی نہیں سکتی، یہ رشتہ صلاح الدین کے لئے، خوش آئند، خلیفہ
کے لئے خوش گوار، اور سیدۃ الملک کے لئے بہر حال دلخوش کن ہوگا۔

عیسےٰ دل ہی دل میں یہ باتیں سوچ رہا تھا۔ اور ابوالحسن کی نگاہ اگرچہ بظاہر
ایک کھلی ہوئی کتاب کے اوراق پر تھی لیکن درحقیقت وہ عیسےٰ کے چہرہ سے اس کا دل
رہا تھا۔ جو حالات عیسیٰ کے دل میں گزر رہے تھے وہ سب ابوالحسن کی نگاہ میں تھے۔
اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔ عیسیٰ کیا سوچ رہا ہے؟ اور کس خیال میں ہے؟ یہ محسوس
وہ اپنی کامیابی پر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔

عیسیٰ دفعتہ کھڑا ہو گیا اس نے ابوالحسن سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا

"تم چاہو تو شوق سے یہاں بیٹھو لیکن مجھے ایک ضروری کام آگیا، اسی وقت مجھے
صلاح الدین کے پاس جانا ہے"

بوالحسن اپنا تبسم نہ روک سکا وہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا اس نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "ضرور تشریف لیجائیے میں بھی اب جا
عیسیٰ صلاح الدین سے ملنے چلا گیا اور ابوالحسن نے سمجھ لیا عیسےٰ صلاح الدین کے پاس کیوں
ابوالحسن جب اپنی قیام گاہ کیطرف چلا تو اس کے دل میں صرف ایک ہی خیال تھا،
اب کیا ہو گا؟ — میں نے عیسیٰ کے دل میں ایسا جذبہ پیدا کر دیا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا
کہ صلاح الدین سیدۃ الملک کے لئے پیام دے گا۔ عاضد میں ہمت نہیں کہ اس پیام کو رد کر
اسے منظور کرنا پڑے گا یہ رشتہ — لیکن نہیں، بچاؤ کی ایک صورت ہے، عاضد جواب
کہدے کہ سیدۃ الملک کی اس کے ایک قریبی رشتہ دار — ابوالحسن سے نسبت ہو
چکی ہے — پھر صلاح الدین کچھ نہ کر سکے گا — بے بس ہو جائے گا!

:——————:

یاقوتہ!

خلیفہ عاضد اور شہزادی سیدۃ الملک میں آج جو باتیں ہوئی تھیں، وہ بڑی ہی ناخوشگوار تھیں ــــ تکلیف دہ بھی اور تلخ بھی ــــ بھائی کے پاس سے اٹھ کر سیدۃ الملک اپنی خواب گاہ کی طرف گئی، اس کے چہرے پر اس وقت اضطراب و اضطرار کی کیفیت طاری تھی، اس کی خادمہ دایہ ہمدرد، غمگسار، دوست، رفیق، اس سارے محل میں یاقوتہ تھی، یاقوتہ نے اسے گودیوں میں کھلایا تھا، ماں کی طرح اس سے محبت کی تھی، سردی گرمی کی تکلیفیں خود برداشت کی تھیں، لیکن اسے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے دی تھی، وہ اگر ذرا بھی بیمار ہو جاتی، تو یاقوتہ کی حالت غیر ہو جاتی تھی، آج جب اس نے سیدۃ الملک کو پریشان اور مضطرب دیکھا تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے!

ہائے میری بچی، کیوں پریشان ہے کیوں مضمحل ہے؟

لیکن سیدۃ الملک نے اس سے گفتگو نہیں کی، شب خوابی کا لباس پہنا، اپنی سنہری زلفوں کی لٹوں کو درست کیا اور چپ چاپ بستر پر لیٹ گئی، یاقوتہ کو امید تھی کہ شہزادی اس سے اپنا درد دل کہے گی، اپنی پریشانی کا ماجرا بیان کرے گی، اپنے اضطراب و اضطرار کی وجہ بیان کرے گی، لیکن اس نے کچھ نہ کہا، چپ چاپ بستر پر لیٹ گئی، یاقوتہ نے بھی کچھ نہ کہا۔ خاموشی سے اس کے پائنتیوں بیٹھ گئی اور پاؤں دبانے لگی، دل میں آگ سی لگی تھی، وہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔ سیدۃ الملک کی یہ کیفیت کیوں ہے؟ لیکن اسے خاموش دیکھ کر کچھ پوچھنے کی جرات بھی نہیں ہوئی تھی، کافی وقت اس طرح گزر گیا اتنے میں یاقوتہ

نے دیکھا سیدۃ الملک کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی ہیں، یہ دیکھ کر اس کے صبر و ضبط کا پیمانہ چھلک گیا۔ اب وہ ضبط نہ کر سکی، اس نے اپنی شہزادی کے پاؤں پکڑ لئے، اور خود بھی رونے لگی اسے روتا دیکھ کر سیدۃ الملک اُٹھ بیٹھی اس نے یاقوتہ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ اور بڑے محبت بھرے لہجہ میں دریافت کیا:۔

سیدۃ الملک:۔ کیا بات ہے یاقوتہ تم رو کیوں رہی ہو؟ کسی نے کچھ کہا؟

یاقوتہ:۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ میری شہزادی کے ہوتے، کچھ کہنے کی جرأت کر سکے؛

سیدۃ الملک:۔ پھر رونے کا سبب؟

یاقوتہ:۔ بد قسمتی ـــــ بس اور کچھ نہیں "!

سیدۃ الملک:۔ لیکن کچھ بتاؤ بھی تو ـــ!

یاقوتہ:۔ کیا بتاؤں؟ ـــــ تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھے، میری آنکھیں بھی بہنے لگیں، کچھ اس لئے کہ تمہارا رونا بھی نہیں دیکھ سکتی، اور کچھ اس لئے کہ اب تم نے مجھ پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا ہے ـــ کیا میرے رونے کا یہ سبب معقول نہیں ہے ؟

سیدۃ الملک کے افسردہ لبوں پر تبسم کی جھلک پیدا ہوئی، پھر اس نے کہا بس یہی بات ؟ ـــ بھلا میں تم سے بھی کچھ چھپا سکتی ہوں؟ اس محل ہی میں نہیں اس دنیا میں تم سے بڑھ کر بھی میرا کوئی ہمدرد، اور بہی خواہ ہو سکتا ہے ؟

یاقوتہ:۔ اس لئے تو مجھے تعجب ہے تم کہتی کیوں نہیں کیا بات ہے؟ ـــ ممکن ہے میں کوئی مشورہ دے سکوں؟ اور اگر کوئی صائب مشورہ نہ دے سکی، تو بھی کم از کم تمہارے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ ـــ بتاؤ کیا بات ہے ؟ کیوں اتنی افسردہ، اور غم زدہ نظر آ رہی ہو؟

سیدۃ الملک نے آج کی ساری سرگزشت اوّل سے آخر تک یاقوتہ کو سنا دی، وہ

دانتوں تلے انگلی دابے یہ ساری کتھا سنتی رہی پھر سیدۃ الملک نے کہا۔

سیدۃ الملک :۔ ذرا دیر کے لئے یہ بات مان بھی لی جائے کہ ابوالحسن صلاح الدین کو قتل کر دے گا؟ لیکن کیا صلاح الدین کے قتل سے ہمارے مصائب کا خاتمہ ہو جائے گا؟ میں تو سمجھتی ہوں ہم پہلے سے زیادہ مصیبتوں میں گرفتار ہو جائیں گے اور ان کا کوئی مداوا نہ ہو سکیگا!

یاقوتہ :۔ یہ کیسے بیٹی؟ —— ذرا مجھے سمجھاؤ تو! ——

سیدۃ الملک :۔ میں خود بھی کردوں کے غیر معمولی اثر و اقتدار سے نالاں ہوں، اور دل سے ان کا زوال چاہتی ہوں لیکن اگر ان کی جگہ ابوالحسن لے لے تو یہ مجھے منظور نہیں۔!

یاقوتہ :۔ وہ ایسا کیوں ہونے لگا؟

سیدۃ الملک :۔ یہی تو اصل منصوبہ ہے، صلاح الدین کے قتل کی شرط یہی ہے کہ ابوالحسن ولی عہد بنا دیا جائے، اور اس کے ساتھ میری شادی کر دی جائے ——

یاقوتہ :۔ اچھا یہ بات ہے؟

سیدۃ الملک :۔ ہاں خالہ —— ابوالحسن کی ولیعہدی، یہ تو بڑے فتنوں کا پیش خیمہ ہوگی وہ جتنا کینہ، بدباطن، اور شیطان سیرت شخص ہے اس کے جوہر ولی عہدی بعد ہی کھلیں گے —— رہی اس کے ساتھ شادی تو مرتے مرتے میں اس بات پر رضامند نہیں ہو سکتی۔ میں اس سے نفرت کرتی ہوں!

یاقوتہ :۔ وہ کم بخت ہے بھی قابل نفرت —— کوئی تو اچھی بات ہوتی ظالم میں —— پھر بھی بیٹی خفا نہ ہونا، مجھے تمہاری رائے سے اتفاق نہیں ہے۔

سیدۃ الملک :۔ یہ کیوں خالہ؟

یاقوتہ :۔ میرا خیال ہے اگر واقعی ابوالحسن جو کچھ کہہ رہا ہے وہ کر دکھائے تو وہ سر انعام

کا مستحق ہے۔

سیدۃ الملک:۔ یعنی ـــ کون سا انعام!

یاقوتہ:۔ کہہ تو رہی ہوں ہر انعام کا ـــ ولی عہدی کا بھی، اور شہزادی سیدۃ الملک سے شادی کا بھی۔

سیدۃ الملک:۔ (کھڑے ہو کر) میں ایسی باتیں نہیں سننا چاہتی!

یاقوتہ:۔ بیٹی سن لینے میں کیا حرج ہے؟ ماننے نہ ماننے کا تمہیں اختیار ہے لیکن میں اپنا فرض سمجھتی ہوں کہ جو کچھ سچ سمجھتی ہوں وہ کہوں!

سیدۃ الملک:۔ معلوم ہے تمہارے سچ کی حقیقت!

یاقوتہ:۔ بیٹی خفا نہ ہو! ـــ ٹھنڈے دل سے میری باتیں سن لو۔ ان کم ردوں نے ہمیں ذلیل اور رسوا کر دیا ہے، ہمیں کہیں کا نہ رکھا، اگر ان سے نجات مل جائے، تو ہماری آن اور شان پھر سے قائم ہو جائے گی۔

سیدۃ الملک:۔ تم نہیں جانتیں وہ بڑا مکار اور شیطان ہے۔

یاقوتہ:۔ جانتی ہوں میری بچی، میں نے تجھ سے زیادہ دنیا دیکھی ہے۔ دنیا والوں کو دیکھا ہے، نہیں برتا ہے، سمجھا ہے، پہچانا ہے تو ابھی بچّی ہے کل کی ـــ پھر ایک بات اور بھی قابل غور ہے۔

سیدۃ الملک:۔ وہ کیا؟

یاقوتہ:۔ ابوالحسن بہرحال کوئی غیر نہیں، اپنا کفو ہے، اپنا خون ہے، اپنی ہڈی ہے اگر وہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دے ڈالے، جو کوئی اس خاندان میں انجام نہیں دے سکتا، تو پھر اس کے استحقاق کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔

سیدۃ الملک :- میں نہیں تسلیم کر سکتی !

یاقوتہ :- آخر کیوں ؟ —— وہی بالک ہٹ اور کوئی وجہ تو میری سمجھ میں نہیں آتی !

سیدۃ الملک ان باتوں پر دل ہی دل میں بہت برہم تھی، اسے یاقوتہ کی باتیں ناگوار گزر رہی تھیں، لیکن اس کے اخلاق، محبت اور بے لوثی کی وہ اتنی قائل تھی کہ نہ جھڑک سکتی تھی۔ نہ زبان بندی صادر کر سکتی تھی!—— اس نے یاقوتہ کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا، ٹکٹکی لگائے دیوار کے نقش ونگار، اور پھول پتوں کو دیکھتی رہی!

یاقوتہ نے جب دیکھا کہ اس کی ساری تقریر رائگاں جا رہی ہے اور سیدۃ الملک کوئی جواب نہیں دیتی، تو اس نے کہا،

بیٹی، میری باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرو!

سیدۃ الملک نے جھلا کر بڑے تیکھے انداز میں کہا۔

کر لیا—— اب سے میرے سامنے ابوالحسن کا نام نہ لینا !

یاقوتہ :- آخر کیوں —— ؟

سیدۃ الملک :- اس لئے کہ میں اس سے نفرت کرتی ہوں، جب وہ میری طرف گھورتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کی آنکھوں سے خیانت اور بدنیتی کے شرارے برس رہے ہیں

یاقوتہ :- وہی ضد، بچوں کی سی ——،

سیدۃ الملک :- جو چاہو سمجھو، لیکن میں اپنی رائے نہیں بدل سکتی !

یاقوتہ نے اٹھکر بڑی محبت سے گلے لگا لیا، اور اسکا ہاتھ پکڑ کر پھر سے بستر پر لٹاتے ہوئے کہا

یاقوتہ :- جتنا چاہنا خفا ہو لینا، لیکن تمہیں میری باتیں سننا پڑیں گی!

سیدۃ الملک :- ابھی تمہیں کچھ اور کہنا ہے ؟ یاقوتہ :- ہاں میری بچی، میری بیٹی!

وہ شخص؟

یاقوتہ نے بڑے چاؤ سے سیدۃ الملک سے مخاطب ہو کر کہا:

یاقوتہ:۔ بیٹی ذرا یہ تو سوچو، ابوالحسن تمہارا ہم کفو ہے، علوی خاندان سے تعلق رکھتا ہے بہادر ہے، مدبر ہے اس جیسا اس خاندان میں کوئی دوسرا نہیں، شادی تمہیں بہر حال کرنا ہے پھر اسی شخص سے کیوں نہ کرو، جو خاندان میں یکتا ہے۔!

سیدۃ الملک نے جل کر کہا۔

"اس کی تعریفیں تم نے کیں لیکن اصلی تعریف چھوڑ دی!

یاقوتہ:۔ وہ کیا ——؟

سیدۃ الملک:۔ یہ کہ وہ بوڑھا ہے بدنفس ہے، بدباطن ہے

یاقوتہ:۔ اونھ تم پھر وہی باتیں کرنے لگیں۔!

سیدۃ الملک:۔ لیکن کچھ غلط تو نہیں کہتی —— اور ایک بات خوب اچھی طرح کان کھول کر سن

یاقوتہ:۔ وہ کیا ——؟

سیدۃ الملک:۔ تو یہ ضروری نہیں کہ مجھے شادی کرنی ہی چاہیئے۔ نہیں کرتی، کسی کا کیا اجارہ؟ اور اگر فرض کر لو، کیا یہ ضروری ہے ——

یاقوتہ:۔ ہاں ضروری ہے اور بہت ضروری ہے بھلا یہ ممکن ہے کہ تم جیسی حسین و جمیل صاحب سلیقہ، اور شائستہ لڑکی زندگی بھر یونہی کنواری بیٹھی رہے ——؟

سیدۃ الملک:۔ تو پھر یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ میری شادی کسی ہم خاندان ہی

سے ہو، مسلمان ہونا چاہیئے اسے۔

یہ کہتے کہتے شہزادی سیدۃ الملک کا غمگین، افسردہ اور مضمحل چہرہ شدتِ حیا سے گلنار ہوگیا، اس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی، اس نے یاقوتہ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور دیوار کی طرف دیکھنے لگی،

یاقوتہ ایک گھاگ تھی، زمانہ کا سرد و گرم دیکھے ہوئے، اونچ نیچ سے واقف، بقول شخصے، اس نے بال کچھ دھوپ میں سفید نہیں کئے تھے، وہ ان باتوں سے سمجھ گئی، ضرور دال میں کالا ہے ضرور یہ لڑکی کسی اور سے محبت کرتی ہے، بغیر محبت کے اتنی گہری نفرت ابوالحسن سے ہو ہی نہیں سکتی، یہ محسوس کر کے اس نے دفعتہً اپنے لہجہ میں تبدیلی کر لی، ایک مرتبہ پھر اُسے گلے سے لگایا، اور محبت بھرے لہجہ میں کہا—

یاقوتہ:۔ میں سمجھ گئی بیٹی،

سیدۃ الملک:۔ کیا سمجھیں؟— کچھ معلوم تو ہو آخر؟

یاقوتہ:۔ تم ضرور کسی سے محبت کرتی ہو، اور مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارا دل دکھایا!

سیدۃ الملک کے چہرے پر یہ سُن کر پھر سرخی دوڑ گئی، خود بخود شرم سے اس کی آنکھیں جھک گئیں، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، لیکن نہ کہہ سکی، زبان نے یاری نہ دی!— یاقوتہ نے اس کی کیفیت کو محسوس کر لیا اور دلدہی کے لہجہ میں کہا

یاقوتہ:۔ مجھ سے نہ شرماؤ، میں تمہاری ہمدرد ہوں، دوست ہوں، تم سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں جتنی ایک ماں اپنی بیٹی سے کر سکتی ہے—

سیدۃ الملک:۔ خود میرا بھی یہی حال ہے میں بھی تم سے بہت محبت کرتی ہوں—؟

یاقوتہ:۔ پھر اپنے دل کا حال چھپا کیوں رہی ہو؟— بتاؤ وہ کون ہے جو چپکے چپکے

دبے پاؤں آیا۔ اور تمہارے دل کا مکین بن گیا!

سیدۃ الملک کی زبان نے اب بھی یاری نہ دی! اس نے نظر اٹھا کر یاقوتہ کو دیکھا اور دیکھ کر خاموش ہو گئی، کچھ نہ کہہ سکی۔!

یاقوتہ:۔ بیٹی میں پوچھ کر رہوں گی۔ تمھیں بتانا پڑے گا۔

مایوسی اور دل گرفتگی کے عالم میں سیدۃ الملک نے کہا۔

سیدۃ الملک:۔ خالہ، ان باتوں کو جانے دو، ان سے کچھ حاصل نہیں!

یاقوتہ:۔ کیسے حاصل نہیں —— لیکن تم کچھ کہو بھی تو؟

سیدۃ الملک:۔ نہیں کچھ نہیں —— (جمائی لے کر) —— مجھے اب نیند آ رہی ہے!

یاقوتہ نے اس وقت گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنا مناسب نہ سمجھا! اس نے جلدی سے بستر ٹھیک کیا، اور سیدۃ الملک کو لٹا دیا، وہ چادر اوڑھ کر اور منہ ڈھانپ کر لیٹ گئی اور سوتی بن گئی۔

یاقوتہ نے بھی اپنا بستر ٹھیک کیا اور لیٹ کر سیدۃ الملک کی باتوں پر اور اس کے اضطراب و اضطرار پر غور کرنے لگی، لیکن جلد ہی اس نے محسوس کر لیا کہ سیدۃ الملک سوتی نہیں ہے، صرف کروٹیں بدل رہی ہے، وہ سونا چاہتی ہے لیکن نیند قریب نہیں آتی، بڑی دیر تک یہی حالت قائم رہی، آخر یاقوتہ سے ضبط نہ ہو سکا وہ اٹھی اور سیدۃ الملک کے پاؤں دبانے لگی اُسے پاؤں دباتا محسوس کر کے سیدۃ الملک نے چادر منہ سے ہٹائی اور کہا۔

سیدۃ الملک:۔ ارے تم سوتی نہیں؟

یاقوتہ:۔ (مسکرا کر) اور تم کب سو رہی ہو؟ تمھیں بھی تو نیند نہیں آتی، اور میری بیٹی یاد لینا، وہ آئے گی بھی نہیں!

سیدۃ الملک :۔ واہ کیوں نہیں آئے گی !؟

یاقوتہ :۔ آہی نہیں سکتی !

سیدۃ الملک :۔ زبردستی ہے کچھ ؟

یاقوتہ :۔ ایسی حالت میں نیند آ ہی نہیں سکتی ــــ خیالات جب یک سو نہیں ہوتے

یہی حالت ہوتی ہے !ــــ دیکھ لو ، مجھے نیند نہیں آ رہی ہے ، حالاں کہ بڑی کوشش کی ــــ

سیدۃ الملک :۔ تو پھر کیا مطلب ہے ؟ رات بھر جاگتے رہیں گے ہم لوگ ؟

یاقوتہ :۔ جاگنا ہی پڑے گا ــــ ورنہ پھر اصلی اور سچی باتیں کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر لو

ٹ سے نیند آ جائے گی ، خوب چین سے سو ؤ گی !

سیدۃ الملک نے بات سمجھ لی ، اصل میں وہ خود ، کسی ہمدرد ، غمگسار کو راز دار بنا

لینا چاہتی تھی ، اور یاقوتہ سے بڑھ کر نہ کوئی ہمدرد تھا ، نہ راز دار ، لیکن حالِ دل کہتے ہوئے

ے شرم بھی آتی تھی ، آخر جب یاقوتہ نے اُسے بہت مجبور کیا ، تو وہ بولی ،

سیدۃ الملک :۔ اگر میں اپنے دل کی بات کہہ بھی دوں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا

ہو گا کہ تم ہنسی اڑاؤ گی میری !

یاقوتہ :۔ (دانتوں تلے انگلی دبا کر) کہیں ایسا ہو سکتا ہے ؟ ـ میں ہنسی اُڑاؤں گی ؟

کسی اور کی بھی نہیں اپنی شہزادی کی ؟ ــــ

سیدۃ الملک :۔ ہاں میں محبت کرتی ہوں !

یاقوتہ :۔ وہ تو میں نے بھانپ لیا تھا ، لیکن کس سے ؟ یہ بھی بتاؤ !

سیدۃ الملک :۔ ایک ایسے شخص سے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں ؟

یاقوتہ :۔ توبہ ہے ــــ ــــ ــــ آخر کون ہے وہ شخص !

سیدۃ الملک :۔ اگر میرے بھائی کو میری محبت کا حال معلوم ہو جائے، تو وہ مجھے پا[illegible]

اور مجنوں خیال کرنے لگے گا، لیکن خود میرا اپنے بارے میں یہ خیال نہیں ہے!

یاقوتہ :۔ پاگل اور مجنوں ہوں تمہارے دشمن، میری بچی کیوں ہونے لگی!۔ لیکن [illegible]

خوش قسمت ہے جس نے دنیا کی سب سے زیادہ حسین وجمیل عالی خاندان والا دودمان [illegible]

کا دل چھین لیا۔۔۔؟ یقیناً وہ کوئی بہت بڑا شخص ہوگا؟

سیدۃ الملک :۔ یہ کچھ میں نہیں جانتی، ہاں اتنا جانتی ہوں کہ تم بھی اس شخص سے اچھ[illegible]

طرح واقف ہو،

یاقوتہ (حیرت سے) میں بھی واقف ہوں؟ نام اس کا؟

سیدۃ الملک :۔ تم مجھ سے زیادہ اس کی شرافت، شجاعت، دلیری اور خوبی [illegible]

خوش صفاتی کی قائل ہو۔۔۔

یاقوتہ :۔ (بہت حیران ہو کر) کون ہے وہ؟

سیدۃ الملک : تم نے اس محل میں، اور شاید یہیں اس کمرہ میں اسے دیکھا ہے

یاقوتہ :۔ کیوں پہیلیاں بجھوا رہی ہو بیٹی صاف صاف بتا دو، وہ کون ہے؟

سیدۃ الملک :۔ ارے تم اب بھی نہیں سمجھیں۔۔۔ وہ جس نے مجھے موت کے پنجے سے [illegible]

جس نے میرے بالوں کی کٹی ہوئی لٹ مجھے واپس کی تھی، جس نے میرے ساتھ اس وقت [illegible]

کی تھی جب یہ دنیا تاریک ہو رہی تھی میرے لئے۔۔۔ میرے بھائی نے میرے بال کاٹ[illegible]

ایک غیر شخص کو بھیج دیئے، تاکہ وہ رقم کھا کر مدد کرے، اور اس شخص نے میری وہ لٹ مجھ[illegible]

واپس کر دی، تاکہ میری مزید رسوائی نہ ہو۔۔۔ اب سمجھیں یا اور سمجھاؤں؟

یاقوتہ :۔ ہاں سمجھی، تم شاید اس کُردی نوجوان کو کہہ رہی ہو، جو اس روز کی ہنگا[illegible]

ہیں فرشتۂ غیب بن کر مدد کو یہاں پہنچا تھا ـــــ وہی نا؟

سیدۃ الملک:۔ ہاں وہی ـــــ وہی غیور شخص، اور منّ چلا کردی نوجوان!

یہ الفاظ، سیدۃ الملک نے بڑے جوش کے ساتھ ادا کئے، لیکن، پھر وہ خاموش ہو گئی، شرما گئی اور کچھ نہ کہہ سکی! ـــــ البتہ اس کی آنکھوں کی چمک، چہرے کی بشاشت اور انداز کے والہانہ پن سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت بہت خوش ہے! ـ یاقوتہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ـــ

یاقوتہ:۔ ہاں میں سمجھ گئی، اس شریف نوجوان کو خوب اچھی طرح جانتی ہوں، اس دن کا سماں اب تک آنکھوں میں پھر رہا ہے ـــ

سیدۃ الملک:۔ کیا تم اس کا نام جانتی ہو؟

یاقوتہ کچھ سوچنے لگی، پھر اُس نے کہا۔

یاقوتہ:۔ ہاں میں اس کا نام جانتی ہوں ـــ لیکن معلوم ہے وہ کون ہے، جانتی ہو؟ اس کا ہمارے اس دشمن سے کیا تعلق ہے جس سے گلو خلاصی حاصل کرنے کی جدوجہد میں ہمارے بڑے معظم خلیفۃ المسلمین، اور امیر المومنین عاضد لگے ہوئے ہیں!

سیدۃ الملک:۔ نہیں یہ کچھ میں نہیں جانتی ـــ تم یہ بتاؤ وہ کون ہے

یاقوتہ:۔ کیا بتاؤں! ـــ وہ بڑا اہم آدمی ہے صلاح الدین کا معتمد علیہ، اس کی صلاح مشورے کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، بُری طرح وہ صلاح الدین پر مسلط ہے

سیدۃ الملک:۔ تو یہ ہے، اتنی ساری باتیں کر گئیں، لیکن کام کی بات ایک نہ بتائی میں اس کا نام معلوم کرنا چاہتی ہوں!

یاقوتہ:۔ اس کا نام عماد الدین ہے میں نے اکثر اسے قصر الذہیب شاہی نشست

نگاہ کے قریب اپنے آقا صلاح الدین کا انتظار کرتے دیکھا ہے جب وہ خلیفہ عاضد سے
آتا ہے محل کے جھروکے سے صاف نظر آتا ہے، کیا تم نے کبھی نہیں دیکھا؟

سیدۃ الملک:۔ نہیں ـــــ تاک جھانک میری عادت نہیں!

یاقوتہ:۔ تو اس دن کے بعد تم نے پھر اُسے کبھی نہیں دیکھا؟

سیدۃ الملک:۔ ایک آدھ مرتبہ دیکھا تو ہے حرم سرا کے دروازے پر بہاء الدین
سے کئی مرتبہ وہ مصروف گفتگو نظر آیا ــــ

یاقوتہ:۔ تو یوں کہو، لگا ہوں لگا ہوں میں پیام سلام کا سلسلہ بھی جاری ہو چکا

سیدۃ الملک:۔ نہیں خالہ یہ نہ کہو، ایسی بات نہیں ہے، میں نے تو کئی مرتبہ
بھی کہ وہ ادھر دیکھے، لیکن اس کی نگاہیں بھی اتنی پاک باز ہیں کہ اس نے کبھی بھولے
بھی اس طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ نہ داہنے دیکھتا ہے نہ بائیں، نہ اوپر صرف
سے باتیں کرتا رہتا ہے

یاقوتہ:۔ (مسکرا کر) بڑا بے وقوف ہے۔!

سیدۃ الملک:۔ بے وقوف نہیں، نیک، پارسا، شریف ــــ سچ کہتی ہوں اس
اس وضع احتیاط نے اور زیادہ میری محبت کو چوکھا کر دیا، اگر وہ ابوالحسن کی طرح
تو شاید میں اس سے بھی نفرت کرنے لگتی، کیا کروں میری افتادِ طبع ہی کچھ اس قسم کی

یاقوتہ:۔ وہ تو میں جانتی ہوں یوں ہی کہہ رہی تھی

یاقوتہ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

یاقوتہ:۔ لیکن بیٹی ایک بات کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آتی!

سیدۃ الملک:۔ پوچھو خالہ، میں بتاؤں گی، تم سے کوئی بات بھی نہیں چھپا

یاقوتہ:۔ وہ بات یہ ہے کہ ہمارے محل میں ماشاءاللہ ایک سے ایک بڑھ کر شہزادے ہیں، خوب رو، عزب صورت، جیالے، دلبر اور یہ سب جہاں تک میں سمجھتی ہوں، تمھاری نظر التفات کے بھوکے ہیں لیکن تم نے انہیں کبھی درخور اعتنا نہ سمجھا، لائق التفات نہ جانا، نگاہ غلط انداز سے بھی انہیں نہ دیکھا، کبھی ان کی حوصلہ افزائی نہ کی، کبھی ان سے مسکرا کر بات نہ کی، اور یہ کردی نوجوان صرف ایک مرتبہ تم سے ملا، صرف ایک مرتبہ نگاہ سے نگاہ ملی، صرف ایک مرتبہ چند لمحوں کے لئے بات چیت کی نوبت آئی، اور تم دل دے بیٹھیں! محبت کرنے لگیں؟ آخر کیا بات تھی اسکی ایک نظر میں؟ اسکی ایک ملاقات میں؟

سیدۃ الملک:۔ خالہ تم سچ کہتی ہو، جو سوال تمھارے دل میں آیا ہے، وہی بار ہا میرے دل میں بھی آچکا ہے، لیکن میں نے اس کا جواب پا لیا ہے،

یاقوتہ:۔ وہ کیا—؟

سیدۃ الملک:۔ یہ کہ وہ میرا محسن بھی ہے، اس نے ایسے آڑے وقت میں میری مدد کی ہے جسے میں فراموش نہیں کر سکتی۔

یاقوتہ:۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے

سیدۃ الملک:۔ خالہ ذرا غور کرو، جب میری لاج خطرہ میں تھی؟ جب میرا ناموس برباد ہو رہا تھا؟ جب میری زندگی ختم ہو رہی تھی، اس وقت یہ شخص فرشتۂ غیب بن کر پہنچا، اس نے میری زندگی ہی نہیں بچائی، میرا ناموس بھی بچایا۔

یاقوتہ:۔ واقعی وہ ہے تو اس قابل کہ اس سے محبت کی جائے:۔

سیدۃ الملک:۔ اسی لئے تو کرتی ہوں —

یاقوتہ:۔ لیکن خاندان؟— یہ سوال بڑا ٹیڑھا ہے، کہاں تم کہاں وہ؟ کہاں آفتاب

عالمتاب۔ کہاں ذرہ بے مقدار، مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کیسے لگے گا؟ یہ بھی تم نے کبھی سوچنے کی زحمت گوارا کی؟ — اسے نہ بھولو کہ تم خاندان المعزلدین اللہ کی شہزادی ہو، جس کی برتری عظمت اور بڑائی کا ڈنکا سارے عالم میں بج چکا ہے!

یہ سنکر سیدۃ الملک کی تیوریاں چڑھ گئیں، اس نے تکدّر اور تنفر کے ساتھ یاقوتہ کو جھڑکتے ہوئے جواب دیا:۔

سیدۃ الملک:۔ ہاں یہ جانتی ہوں کہ میں خاندان المعزلدین اللہ کی ایک لڑکی ہوں لیکن خالہ ایک بات تم بھی بھولتی ہو!

یاقوتہ:۔ بتاؤ میری بچی!

سیدۃ الملک:۔ خدا المعز کو جنت عطا کرے، یہ تو بتاؤ، جو عزت، عظمت اور شہرت حاصل کی کیا وہ خاندانی تھی؟ کیا وہ انہیں وراثت میں ملی تھی؟ کیا یہ وسیع مملکت ان کے باپ سے ان کے پاس آئی تھی؟

یاقوتہ:۔ یہ کون کہہ سکتا ہے بھلا؟

سیدۃ الملک:۔ انھوں نے جو کچھ حاصل کیا، اپنی قوت بازو سے اپنے حوصلہ سے، اپنی ذاتی صلاحیت سے، اپنے اخلاق بلند سے، اپنی شرافت اور صداقت سے اور میرا خیال ہے کہ یہ خوبیاں خدا نے پوری فیاضی کے ساتھ عمادالدین کو بھی دی ہیں۔ ممکن ہے مستقبل میں وہ بھی المعز کا مرتبہ حاصل کرے، خدا اسی کو بڑھاتا ہے، جس میں صلاحیت ہوتی ہے

یاقوتہ:۔ بے شک بے شک —

سیدۃ الملک:۔ ایک بات اور — ذرا اسی دن کا خیال کرو، اسی محل میں دو ایسے آدمی نمودار ہوتے ہیں، جو مجھے اغوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، میں چلاتی ہوں، لیکن کوئی میری

مدد کو نہیں پہنچتا، میرے نمک خوار ملازم، میرے جاں نثار غلام، میری نگاہ التفات کے بھوکے شاہزادگان، سب کو صرف ایک فکر ہے، یہ کہ اپنی جان بچالیں، لیکن یہ شریف عماد الدین اپنی (ڈیوٹی) چھوڑ کر غیر اور اجنبی ہونے کے باوجود، محض انسانیت اور شرافت کے واسطہ سے دوڑا ہوا آتا ہے ان ظالموں کے پھندے سے مجھے بچاتا ہے اور بغیر انعام لئے، بغیر (شکریہ) کے الفاظ سُنے، چپ چاپ چلا جاتا ہے —— کیا اس سے بھی بڑھ کر شرافت اور انسانیت کا کوئی درجہ ہو سکتا ہے؟

یاقوتہ:۔ ہرگز نہیں،

سیدۃ الملک:۔ بس تو اسی لئے میں اس سے محبت کرتی ہوں، اچھے سے اچھا حسب نسب ایک طرف، اور یہ صفات حسنہ ایک طرف ——

سیدۃ الملک نے بڑے جوش کے عالم میں یہ باتیں کہیں۔ پھر اس نے لب ولہجہ میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

سیدۃ الملک:۔ تم جانتی ہو، وہ دونوں بدمعاش کون تھے؟

یاقوتہ:۔ نہیں میں نہیں جانتی۔

سیدۃ الملک:۔ تمھیں بتاؤں تو حیران رہ جاؤ گی، وہ ہمارے خاندان کے فرد تھے (وہ) ہمارے آباؤ اجداد کی اولاد تھے وہ اعلیٰ نسب اور والا نسب تھے

اچھا یہ بتاؤ اگر ان میں سے کوئی مجھ سے شادی کرنا چاہے، تو مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ کیا جواب دینا چاہیئے؟

یاقوتہ:۔ جوتے مار کر محل سے نکال دینا چاہیئے، زبان کاٹ لینا چاہیئے، آنکھ پھوڑ دینا چاہیئے —— ایسے بزدلوں اور ذلیلوں سے بھی شادی کی جا سکتی ہے؟

سیدۃ الملک :۔ تو سُن لو، ان دونوں میں سے ایک ابوالحسن تھا، وہی ابوالحسن جس کی تعریف میں تم زمین آسمان کے قلابے ملا رہی تھیں، ابھی!

یاقوتہ :۔ (سہم کر) سچ! واقعی وہ ابوالحسن تھا؟

سیدۃ الملک :۔ میرا گمان یہی ہے وہ ڈھاٹا باندھے ہوئے تھا، پہچاننا مشکل ہے لیکن چشم وابرو سے صاف اندازہ ہوتا تھا، یہ ابوالحسن ہے — اس کے مقابلہ میں عمادالدین کو دیکھو، وہ غیرت کا پتلا ہے —— اور شرافت کا پیکر، میرے بھائی تک کے پاس نہیں گیا، نہ انعام لیا اور جاگیر حاصل کرنا تو کہاں؟ —— بتاؤ محبت کے قابل عمادالدین ہے، یا تمہارا ابوالحسن ——؟

یاقوتہ :۔ اب ابوالحسن کا نام نہ لو، میرے سامنے ورنہ خفا ہو جاؤں گی تم سے ——!

سیدۃ الملک ہنسنے لگی۔

:————————:

کسی کی یاد،

یاقوتہ اور سیدۃ الملک میں گفتگو جاری تھی اور یہ بات چیت صرف عمادالدین کی ذات تک محدود تھی، صرف اسی کی سیرت، کردار، اور صفات پہ گفتگو ہو رہی تھی، لیکن رہ رہ کر، تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے یہ سلسلہ منقطع سا ہو جاتا تھا، سیدۃ الملک باتیں کرتے کرتے یک بیک چپ ہو جاتی تھی، کچھ سوچنے لگتی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کھو گئی ہو کسی فکر و خیال میں، پھر یاقوتہ اُسے اُکساتی، کرید کرید کر باتیں پوچھتی، اور وہ پھر اپنے محبوب کے ذکر و بیان میں مشغول ہو جاتی، ایسا ہی اس مرتبہ بھی ہُوا، سیدۃ الملک کو باتیں کرتے کرتے پھر چپ سی لگ گئی، وہ کچھ سوچنے لگی، بظاہر کھو سی گئی، کچھ دیر تک تو یاقوتہ نے یہ صورتحال برداشت کی، مگر آخر صبر نہ کر سکی، اس نے محبت بھرے لہجہ میں دریافت کیا،

یاقوتہ: "کیا سوچ رہی ہو شہزادی!"

سیدۃ الملک: (عالم خیال سے چونک کر) نہیں کچھ نہیں یوں ہی،"!

یاقوتہ: "واہ بیٹی یوں ہی کیا بات ہوئی! کوئی خاص بات زیر غور ہو، مجھے بتاؤ شاید میں کوئی مناسب مشورہ دے سکوں، آخر بوڑھی اور تجربہ کار ہوں،"!

سیدۃ الملک: "خالہ کوئی خاص بات نہیں — بس ایک خیال رہ رہ کے آتا ہے یہ کہ میں جس کی محبت میں اس درجہ تک پہنچ چکی ہوں، دل پوچھتا ہے خود اس کا کیا حال ہے؟ آیا اُس کے دل میں بھی کوئی کسک ہے میرے لئے؟ آیا وہ بھی عالم خیال میں مجھ سے باتیں کرتا ہے؟ آیا اُس کے دل میں بھی میری جگہ ہے؟ —— بس یہی خیال بار بار دل میں آتا ہے، لیکن اس کا

کوئی جواب نہیں ملتا، خاموشی، بالکل خاموشی!

یاقوتہ نے سیدۃ الملک کو گلے لگا لیا، اور کہا،

یاقوتہ:۔ تمھاری یہی باتیں ـــــ بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے تم جسے چاہو، وہ تمہیں نہ چاہے؟ وہ ضرور تمھارے عشق کی آگ میں سلگ رہا ہوگا، یہ دوسری بات ہے کہ وہ رازِ عشق زبان پر نہ لائے، اس لئے کہ جانتا ہے کہاں عشق کر رہا ہے؟ جس سے عشق کر رہا ہے، وہ کوئی معمولی ہستی نہیں، مجھ سے ملا تو ضرور کہوں گی، میاں عماد الدین!

بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے

میری سمجھ میں نہیں آتا، ایسی معمولی معمولی باتوں پر کیوں اپنے آپ کو ہلکان کرتی ہو! ـــــ تم سے محبت کرنا فخر ہے، کون ہے جو اس فخر کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے! ذرا عقل سے کام لو، ہوش کی باتیں کرو۔

سیدۃ الملک غور سے یاقوتہ کی باتیں سنتی رہی، گویا وہ اس کی باتوں کو اپنے خیال کے ترازو میں تول رہی تھی، پھر اُس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

سیدۃ الملک:۔ ہاں کوئی شبہ نہیں تمھاری باتیں بہت زیادہ، تسلّی آمیز ہیں۔!

یاقوتہ:۔ لیکن ایک بات اور میرے دل میں کھٹک رہی ہے، اس پر ضرور ہمیں غور کر لینا چاہیئے۔

سیدۃ الملک:۔ وہ کون سی بات ہے خالہ۔؟

یاقوتہ:۔ یہ کہ کہیں عماد الدین کسی اور سے تو محبت نہیں کرتا؟ ـــــ اگر یہ بات ہو گی تو بے شک ہر طرح کی فکر اور اندیشہ بجا ہے:

یہ سنکر سیدۃ الملک پہ بجلی سی گر پڑی، وہ اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہو گئی اللہ

سوچنے لگی، اگر واقعی عمادالدین کسی اور سے محبت کرتا ہے تو سلگتی رہوں گی اور اپنی مراد نہ پاسکوں گی؟ —— آہ اگر ایسا ہوا؟ ——

لیکن دفعتہً اس کی خود اعتمادی ابھری، اس کے دل میں خیال آیا، غلط بات ہے یہ عمادالدین ہرگز کسی اور سے محبت نہیں کر سکتا، وہ مجھ سے محبت کرنے پر مجبور ہے، سچی محبت آپ اپنا راستہ پیدا کر لیتی ہے، میری سچی محبت رائیگاں نہیں جا سکتی، وہ مجھ سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کو محسوس کرتا ہے صرف جھجک ہے جو اُسے پیام و سلام سے باز رکھتی ہے اور جھجک ہونی ہی چاہیئے۔ میری عالی مقامی، میری سب سے بڑی بدقسمتی ہے، یہی اصل رکاوٹ ہے یہ نہ ہوتی تو عمادالدین میرا بن چکا ہوتا، میں اس کی ہو چکی ہوتی۔ ——

پھر اب کیا ہو؟ —— کیا یوں ہی خاموشی کے ساتھ یہ آگ سلگتی رہے؟ اور کچھ نہ کیا جائے؟ نہیں یہ بھی نہیں ہو سکتا، ایک آگ جب پیدا ہوتی ہے تو اس کا کسی نہ کسی نہج سے نکل پڑنا بھی لگنا چاہیئے —— یہ کام صرف یاقوتہ ہی کر سکتی ہے وہ اگر چاہے تو یہ بیل منڈھے چڑھ سکتی ہے، یہ سوچ کر یاقوتہ سے اُس نے جو پاس ہی بیٹھی اس کے ذہنی اتار چڑھاؤ کا بغور نظارہ کر رہی تھی، کہا

سیدۃ الملک:۔ خالہ یہ سب تمہارے وسواس ہیں عمادالدین کسی سے محبت نہیں کرتا اور میری محبت کسی طرح بھی نہیں ٹھکرا سکتا!

یاقوتہ:۔ اچھا مان لیا پھر ——؟

سیدۃ الملک:۔ اب جو کچھ کر سکتی ہو تم کر سکتی ہو —— اور صرف تم!

یاقوتہ:۔ میری جان بھی، اگر تمہیں خوش رہنے میں کام آجائے، تو خدا جانتا ہے ذرا بھی تامل نہ ہوگا، مجھ کو، بلکہ فخر کروں گی، ہیں اس پر، بتاؤ میں کیا کر سکتی ہوں؟

سیدۃ الملک:۔ سب کچھ تم ہی کر سکتی ہو، اگر ذرا ہمت سے کام لو۔

یاقوتہ:۔ تم کہہ کر تو دیکھو، پھر دیکھ لینا میری ہمت کتنی ہے۔ اور کیسے کیسے خطرات کو جھیل لے جا سکتی ہے۔

سیدۃ الملک:۔ تم عماد الدین سے ملو!

یاقوتہ:۔ مل کر کیا کروں۔؟

سیدۃ الملک:۔ اسے ٹٹولو، اسے جانچو، اس کا جائزہ لو۔

یاقوتہ نے سمجھ لیا، معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے۔ اس نے دل دہی اور تسلی کے لہجہ میں کہا۔

یاقوتہ:۔ ہاں میں ملوں گی، اور جو کچھ تم کہہ رہی ہو کروں گی؛

سیدۃ الملک:۔ لیکن کب؟ — جب میں مر چکوں گی؟

پس ازاں کہ من نمانم
بچہ کار خواہی آید!

میرے مرنے کے بعد اگر تم نے کچھ کیا تو حاصل؛

یہ باتیں سن کر یاقوتہ کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی، اسے اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ کہ معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے اور صورت حال اتنی قابو سے باہر ہو چکی ہے۔ اس نے دلی تاثرات، ظاہر کئے بغیر کہا

یاقوتہ:۔ اس قدر ہراساں اور پریشان کیوں ہوتی ہو؟ کامیابی ہوگی اور ضرور ہوگی تھوڑے سے صبر اور حوصلہ کی ضرورت ہے۔ یہ کام مجھ پر چھوڑ دو۔

سیدۃ الملک:۔ تم ہی پر تو چھوڑ رکھا ہے لیکن تم تو اس طرح مطمئن نظر آ رہی ہو

ہے بالکل معمولی کام ہے جب چاہو انجام دے سکتی ہو؟

یاقوتہ:۔ ہاں یہی بات ہے جس کام کو میں اپنے ذمہ لے لیتی ہوں اسے ہر قیمت پر انجام دے کر رہتی ہوں، ہو جائیگا، یہ کام اطمینان رکھو، اور ذرا بھی پریشان نہ ہو

سیدۃ الملک:۔ تم سے یہی امید ہے لیکن اتنا تو بتا دو کب ملو گی۔ عمادالدین سے،؟

یاقوتہ: بہت جلد ۔۔!۔

سیدۃ الملک:۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، کیا آج ملو گی؟

یاقوتہ:۔ نہیں بیٹی آج نہیں، کل بھی نہیں، ابھی چند روز تک نہیں!۔

سیدۃ الملک:۔ (پریشان ہو کر) ارے یہ کیا؟ آخر اس تاخیر کا راز؟

یاقوتہ:۔ ایک بات تم اطمینان رکھو، عاضد تمہاری مرضی کے خلاف ہرگز کسی سے تمہارا دامن نہیں باندھ سکتا۔ وہ تم سے محبت بھی کرتا ہے۔ اور تمہاری عزت بھی کرتا ہے تمہاری شخصیت اور اصابت فکر و رائے سے مرعوب و متاثر بھی ہے لہٰذا اس کی طرف سے تو مطمئن رہو!

سیدۃ الملک:۔ پھر اتنے لیت و لعل سے کام کیوں لے رہی ہو، جو کام بہرحال کرنے ہے اُسے جلد کیوں نہیں کر ڈالتیں؟

یاقوتہ:۔ یہی تو اصل بات ہے بیٹی ———— عمادالدین سے قبل اس کے کہ میں ملاقات کروں، کئی پہلو ہیں جن پر غور کرنا ہے!

سیدۃ الملک:۔ کون سے پہلو؟

یاقوتہ:۔ یہ کہ ابھی یہ راز افشا نہ ہو، ابوالحسن اور شریف جلیس کو کسی طرح کی بدگمانی نہ ہو، خلیفہ عاضد تمہاری طرف سے مشکوک و مشتبہ نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی بات

بھی رونما ہوگئی، تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا!

"بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

یہ میری تجربہ کارانہ رائے ہے ——— ۔ پھر کہتی ہوں اس قدر جلدی نہ کرو ———

بات سیدۃ الملک کی سمجھ میں آگئی ——— اور خاموش ہوگئی، اس خارجی میں اتفاق رائے شامل تھا ۔!

جواہرات کا ہار

سیدۃ الملک کی رات بڑے کرب اور بے چینی میں گزری، مشکل سے گھنٹہ بھر وہ سوئی ہوگی، ورنہ وہ تھی، اور عمادالدین کا تصور،

دل چاہتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

اور وہ فرصت دیاں سوئی، اُسے رات بھر حاصل رہی، نیند نہ آنے پر اُسے اکتاہٹ نہیں ہوئی، بلکہ خوشی ہوئی — کہ نیند نہیں آرہی ہے اس طرح عالم خیال میں اسے عمادالدین سے ملنے کا، اس سے باتیں کرنے کا اور اسے جی بھر کے دیکھتے رہنے کا موقعہ مل گیا،

صبح وہ اٹھی، تو طبیعت ذرا بھاری تھی، فوراً اُسے خیال آیا، عاضد کی طبیعت خراب تھی، اب اس کا کیا حال ہے؟ یہ سوچتے ہی، وہ اسی شب خوابی کے لباس میں جلدی سے خلیفہ کی آرام گاہ کی طرف چلی، دروازے پہ عاضد مل گیا جو فریضہ نماز فجر ادا کرنے کے لئے جا رہا تھا، عاضد کو دیکھتے ہی وہ ٹھٹک کر کھڑی ہوگئی، بڑے تعلق خاطر کے ساتھ اس نے دریافت کیا۔

"اب طبیعت کیسی ہے؟"

بغیر کسی ناگواری یا سابقہ تکدر کے اظہار کے اس نے کہا

"خدا کا شکر ہے، پہلے سے اچھا ہوں"

کچھ دیر تک اسی طرح بھائی بہن میں رسمی باتیں ہوتی رہیں، پھر وہ اپنی نشست گاہ

میں واپس آئی، یہاں یاقوتہ اس کی پہلے سے منتظر تھی، اس نے جلدی جلدی کپڑے بدلے
اتنے میں ناشتہ تیار ہو چکا تھا، وہ دسترخوان پر بیٹھ گئی، اور دریافت کیا،

"خلیفہ کا مزاج کیسا ہے ؟"

سیدۃ الملک:۔ ٹھیک ہے —— پہلے سے تو اچھے ہیں۔!

یاقوتہ:۔ تو آؤ ناشتہ کر لو!

وہ ناشتہ پر بیٹھ گئی، یاقوتہ کو امید تھی کہ ناشتہ کے دوران میں وہ ضرور عماد الدین
ذکر چھیڑے گی۔ اور اس کے متعلق کچھ باتیں کرے گی، لیکن خلاف توقع سیدۃ الملک
رہی، اس نے عماد الدین کا کوئی ذکر نہیں کیا نہ اور کسی طرح کی بات چیت کی، ناشتہ کے بعد
سیدۃ الملک اپنے خاص کمرے میں آکر متمکن ہو گئی، اور یاقوتہ دوسرے فرائض انجام دینے
حسبِ معمول مصروف و منہمک ہو گئی،

دوپہر کے کھانے پر اگرچہ دونوں آمنے سامنے بیٹھی تھیں، لیکن کوئی بات چیت
یہ رنگ دیکھ کر یاقوتہ فکرمند تو ہوئی، لیکن اُس نے کچھ پوچھ گچھ نہیں کی، سیدۃ الملک
اپنی خواب گاہ میں گئی،

"رات مجھے نیند اچھی طرح نہیں آئی، اب ذرا سوؤں گی"!

یاقوتہ نے کوئی جواب نہ دیا اور اس کے جانے کے بعد وہ پھر اپنے فرائض
انجام دہی میں مصروف و مشغول ہو گئی، سہ پہر کو، یاقوتہ اس کے کمرے میں پہنچی
راحت سے بیدار ہو چکی تھی، اور اس وقت بہت خوش و خرم نظر آ رہی تھی
دیکھ کر یاقوتہ کے مرجھائے ہوئے دل کی کلی بھی کھل گئی، اس نے اپنے جوش مسرت
چھپاتے ہوئے سیدۃ الملک سے کہا،

یاقوتہ:۔ آؤ چلو میرے ساتھ!

یہ عجیب فرمائش تھی، سیدۃ الملک نے ساتھ چلنے پر ذرا بھی اظہارِ رضامندی کئے بغیر کہا۔

سیدۃ الملک:۔ خیر تو ہے کہاں؟ —— کہاں چلنے کو کہہ رہی ہو؟

یاقوتہ:۔ ذرا تھوڑی دیر کے لئے خزانہ جواہرات کی طرف!

یہ سنکر سیدۃ الملک کے چہرے پر انقباض کی کیفیت پیدا ہوئی، اس نے تیوری چڑھا کر، اور ٹھنڈی سانس لے کر کہا

سیدۃ الملک:۔ خزانہ جواہرات میں —— وہاں اب رکھا کیا ہے؟ —— وہ صرف نام کا خزانہ ہے، ورنہ جواہرات تو لٹ چکے کب کے!

یاقوتہ:۔ نہیں یہ تو نہ کہو، خزانہ بہت کچھ خالی ہو چکا —— پھر بھی ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ وہی مثل ہے، ہاتھی لاکھ لٹا جب بھی سوا لاکھ ٹکے کا!

سیدۃ الملک:۔ لیکن وہاں جا کر کروں کیا!

یاقوتہ:۔ امیر المومنین نے یاد فرمایا ہے تمہیں وہاں۔ میں وہیں سے آرہی ہوں اور وہ وہیں تشریف فرما ہیں۔ اور تمہارے منتظر ہیں چلو ——!

یہ سنکر سیدۃ الملک کی طمانیت رخصت ہوگئی، اس پر پھر سراسیمگی کی کیفیت طاری ہوگئی، اس نے گھبراتے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"کیوں یاد فرمایا ہے امیر المومنین نے؟"

یاقوتہ:۔ یہ میں نہیں جانتی —— بہر حال جس کے لئے بھی بلایا ہوگا۔ معلوم ہو جائے گا، چلو تو!

اب سیدۃ الملک مزاحمت نہ کرسکی، وہ یاقوتہ کے ساتھ حرم سرا سے نکل کر
جواہرات میں پہنچی، یہاں متعدد مستحکم کمرے تھے، جن میں جواہرات شاہی اور دوسری
محفوظ تھیں، کمروں کے اندر گراں قیمت قالین بچھے ہوئے تھے، گاؤ تکیئے لگے ہوئے تھے
سیدۃ الملک قصر کے اس حصہ میں داخل نہیں ہوئی تھی، کبھی ضرورت ہی نہیں پیش آئی
اس کا جی بھی نہیں چاہتا تھا۔ یہاں آنے کو، کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ خلیفہ المستنصر باللہ
فرماں روائی میں جب ابو تمیم خلیفہ پر مسلط ہوا تو اس نے خزانہ سے بہت سے قیمتی جو
اور دوسری گراں مایہ چیزیں لے لی تھیں، اس واقعہ کے بعد، اس نے سوچا، بھلا اس
میں اب کیا رہ گیا ہوگا، لیکن اندر جا کر معلوم ہوا واقعی یاقوتہ سچ کہہ رہی تھی، لاکھوں
جب بھی سوا لاکھ ٹکے کا، بہت کچھ لٹ جانے کے بعد بھی بہت کچھ باقی رہ گیا تھا۔
دروازے پر، سیدۃ الملک کی پیشوائی کے لئے موجود تھے، انھوں نے بڑھ کر اپنے
کا استقبال کیا، اور یاقوتہ سے کہا،

"تم واپس جاؤ، شہزادی کے سوا کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے"
یاقوتہ واپس چلی گئی، سیدۃ الملک 'عاضد' کی طرف بڑھی، لیکن یہ سوچتی
کوئی خاص بات ضرور ہے،

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

آخر یاقوتہ کیوں واپس کردی گئی؟ یہی سوچتی ہوئی سیدۃ الملک آگے بڑھی
میں زرکار مسند پر خلیفہ عاضد متمکن تھا۔ سر پر چھوٹا سا عمامہ تھا۔ تسبیح ہاتھ میں تھی
جھکی ہوئی تھی، بہن کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور مرحبا کہہ کر اپنے پاس بٹھا لیا،
مزاج دریافت کی ——!

سیدۃ الملک:۔ خدا کے فضل سے امید ہے اب آپ کا مزاج بالکل درست ہو گا؟

خلیفہ عاضد:۔ الحمدللہ اچھا ہوں، تمہاری طبیعت کیسی ہے؟

سیدۃ الملک:۔ خدا امیر المومنین کا سایہ ہم سب کے سر پر سلامت رکھے، زندگی ...ی زندگی ہے، صحت ان کی صحت ہے!

یہ کہہ کر سیدۃ الملک انتظار کرنے لگی کہ اب عاضد کیا کہتا ہے؟ ـــ یہاں طلب کرنے ...یا وجہ بتاتا ہے، لیکن وہ خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

خلیفہ عاضد: شاید تم پہلی مرتبہ یہاں آئی ہو؟

سیدۃ الملک:۔ بالکل پہلی مرتبہ تو نہیں، بچپن میں یاد پڑتا ہے ایک دفعہ آچکی ہوں۔

خلیفہ عاضد:۔ یہ ہمارے جدِ امجد، خلیفہ المستنصر باللہ کا خزانہ تھا۔

سیدۃ الملک:۔ تھا ـــــــ لیکن اب تو خالی ہے

خلیفہ عاضد:۔ نہیں یہ بات تو نہیں، یہ سچ ہے کہ پہلے اس میں سب کچھ تھا لیکن اب بھی بہت کچھ ہے، دیکھو یہ صندوق دیکھو!

یہ کہہ کر خلیفہ عاضد نے ایک نقرئی، صندوق سیدۃ الملک کی طرف بڑھا دیا، ...س پر بڑے دیدہ زیب نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ سیدۃ الملک نگاہ توجہ سے ...س صندوق کو دیکھنے لگی، پھر بولی

سیدۃ الملک:۔ واقعی بڑا خوبصورت ہے

خلیفہ عاضد:۔ (آہ سرد کے ساتھ) صرف اس میں سے جو زمرد نکالے گئے تھے ...ن کی قیمت جانتی ہو کیا تھی؟ ـــــــ تین لاکھ دینار!

سیدۃ الملک:۔ (سراپا حیرت بن کر) واقعی،

خلیفہ عاضد: (افسردگی کے ساتھ) اگر میں ان تحفوں کا ذکر کروں جو یہاں تھے تو اس کے
لئے بہت وقت چاہیئے۔ البتہ ایک ہار کا ضرور ذکر کروں گا، جس کی قیمت اسّی ہزار دینار
لیکن یہ ہار ظالموں نے یہاں سے نکال کر جوہری بازار میں صرف دو ہزار میں فروخت کر دیا
بارہ سو سونے اور جواہرات کی انگوٹھیاں بھی یہ یہاں سے لے گئے تھے، جن میں گراں قیمت
پتھر جڑے ہوئے تھے۔ ان انگوٹھیوں میں سونے کی تین مربع انگوٹھیاں ایسی تھیں جن میں
تین تین نگینے جڑے ہوئے تھے، یعنی ایک ایک زمرد، اور دو دو یاقوت رمانی، یہ انگوٹھیاں
صرف بارہ ہزار دینار میں کم بختوں نے بیچ ڈالیں، ایک جواہرات کا ڈبہ بھی یہ ساتھ لیتے
جو سات لاکھ دینار میں خریدا گیا تھا۔

سیدۃ الملک: اسے بھی بیچ دیا ہوگا؟

خلیفہ عاضد: ہاں، صرف بیس ہزار دینار میں —— کوڑیوں کے مول انھوں
نے یہ قیمتی اور نایاب چیزیں فروخت کیں، سونے کا ایک مور تھا جس میں بیش قیمت جواہر
جڑے ہوئے تھے۔ آنکھیں سرخ یاقوت کی تھیں، اور پر طاؤسی رنگ کے بلور کے
علاوہ اور بہت سے گراں بہا اور گراں مایہ تحفے تھے جو پشتہا پشت سے چلے آ رہے
اور جمع ہوتے تھے ——

یہاں (۱) علاوہ ازیں شطرنج کی ایک بساط تھی، جس کے مہرے سونے چاندی
ہاتھی دانت اور جواہرات کے تھے، غرض یہ تمام چیزیں اور تمام نوادرات جو مستنصر
زمانہ میں اس محل کے اندر سے لوٹے گئے، وہ اونے پونے بازار میں فروخت کر دیے

سیدۃ الملک: ہاں —— مصیبتوں کا ایک تواتر ہے جو جاری ہے ایک مدت

---

(۱) المقریزہ صہ۱۴۱ ج ۱

ے بہ پے مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں، اور ہم ان کے شکار بن رہے ہیں، سب کچھ

تباہ ہوگیا کچھ بھی نہ بچا۔

خلیفہ عاضد:۔ نہیں بہن یہ نہ کہو، یہ سچ ہے کہ بہت سا ہمارا اندوختہ ضائع ہو

گیا، لیکن خدا ہمارے ان وفادار آدمیوں کو اجر دے، جنہوں نے جان پر کھیل کر بہت کچھ

برا مطلب ہے، بہت ہی نادر و نایاب چیزیں، ان لٹیروں کی دست برد سے بچا لیں

سیدۃ الملک:۔ (خوش ہو کر) تو وہ کہاں ہیں؟

خلیفہ عاضد:۔ ہمارے مخفی تہ خانوں میں —!

یہ کہہ کر خلیفہ عاضد اٹھا، اور ایک دیوار کے پاس جا کر اسے تھپتھپایا فوراً ایک

مخفی دروازہ نمایاں ہوا جسے اس نے کنجی سے کھولا اندر سے ایک پٹاری نکالی جس میں جواہرات

کا ایک بیش قیمت ہار تھا، جواہرات کی جگمگاہٹ سے چکا چوند کی کیفیت پیدا ہو رہی

تھی، نظر کا جمنا مشکل تھا۔ وہ ہار خلیفہ نے، سیدۃ الملک کے ہاتھ میں دے دیا، جسے وہ

الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی، خلیفہ عاضد نے کہا!

"یہ تمہارا ہے، اسے اپنے پاس رکھو!"

تشکر آمیز انداز میں وہ بولی!

"شکریہ —— لیکن میں کیا کروں گی؟"

خلیفہ عاضد نے کہا:۔

"پہنو گی اور کیا کرو گی —— ابھی میرے سامنے گلے میں ڈال لو، دیکھوں کیسا لگتا ہے؟"

لیکن سیدۃ الملک نے سنبھال کر اسے پٹاری میں رکھ دیا۔ خلیفہ عاضد اٹھ

کر آیا، اس نے پٹاری سے ہار نکالا اور اپنے ہاتھ سے بہن کے گلے میں ڈال دیا، اور کہا۔

" یہ تمھیں پرزیب دیتا ہے، خوب پھب رہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے یہ تمہارے
ہی لئے بنا تھا۔ تم سے بڑھ کر کوئی اس کا مستحق نہیں!

پھر خلیفہ عاضد نے پٹاری سے ایک جوکور طلائی انگوٹھی نکالی، جس میں بیش
قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے، اور وہ بھی بڑے چاؤ سے بہن کی انگلی میں پہنا
دی، سیدۃ الملک کو اس لطف و عطا پر جس کا بظاہر کوئی موقعہ نہ تھا، بڑی حیرت ہو
رہی تھی، عاضد نے اس کی کیفیت بھانپ لی اور کہا،

" تم متحیر کیوں ہو رہی ہو، ان چیزوں کا مالک میرے اور تمہارے سوا ہے کون
—— بلکہ میں نے تو یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ سب چیزیں رفتہ رفتہ نکال کر تمھیں سپرد کر دوں گا

سیدۃ الملک: مجھے جو کچھ آپ نے دیدیا ہے بہت ہے، سب چیزیں
لے کر کیا کروں گی؟

خلیفہ عاضد: یہ چیزیں اپنے اصل مالک کے پاس پہنچ جائیں گی پھر ان کے ضائع
ہونے، اور تباہ ہونے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔!

یہ چیزیں تمھارے ہی پاس محفوظ رہ سکتی ہیں، صرف تمھارے پاس!——

سیدۃ الملک نے محسوس کیا اس لطفِ بے کراں اور کرمِ بے حساب میں ضرور
کوئی نہ کوئی راز پوشیدہ ہے

ہم تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

لیکن وہ کیا بات ہو سکتی ہے؟ لاکھ لاکھ غور کرنے پر بھی سمجھ میں نہیں آتی
تھی، آخر اس نے نظر اٹھا کر خلیفہ کو دیکھا کہ چہکر لب

اور تیاف سے کچھ سمجھنے کی کوشش کرے، لیکن یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئی کہ خلیفہ کی آنکھیں پُرآب تھیں

یہ منظر دیکھ کر سیدۃ الملک کے دل پہ ایک گھونسہ سا لگا، اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی، لیکن گلا رُندھ گیا، اور وہ کچھ نہ کہہ سکی، البتہ خلیفہ نے اپنی کیفیت پہ قابو پا کر کہا۔

یہ ہماری خفیہ چیزیں ہیں، ان کی ملکیت کا حق صرف ہم ہی دونوں کو پہنچتا ہے۔

سیدۃ الملک بدستور خاموش تھی!

دھمکی!

تھوڑے سے غور و تامل کے بعد سیدۃ الملک کو یہ سمجھنے میں دشواری نہ پیش آئی کہ اس سارے لطف و کرم اور احسان و نوازش کا اصل سبب یہ ہے کہ درپردہ تحریک کی جارہی ہے کہ میں ابوالحسن سے شادی کرنے پر رضامند ہوجاؤں، ورنہ عتاب سلطانی کی مورد قرار پاؤں گی، لیکن کسی طرح بھی، اس ترغیب و ترہیب کے باوجود، وہ اپنے آپ کو ابوالحسن سے شادی کرنے پر رضامند نہ کرسکی، لیکن پھر کیا کیا جائے، ایک طرف تو صاف انکار میں خاطر شکنی ہے، دوسری طرف خلیفہ عاضد کی خفگی نہ جانے کہاں جاکر ختم ہو! یہ سوچ کر اُس نے بہت ٹھنڈے اور نرم لہجہ میں کہا۔

سیدۃ الملک:۔ بھیا میں کہہ چکی ہوں، ابوالحسن مجھے سخت ناپسند ہے، میں اُس سے نفرت کرتی ہوں، اسی لئے میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ شادی ہی نہ کروں، اس طرح نہ آپ کی خاطر شکنی ہوگی، نہ کسی دوسرے کو کچھ ملال ہوگا۔

خلیفہ عاضد نے یہ سن کر ذرا خفگی کے لہجہ میں کہا:۔

خلیفہ عاضد:۔ تو اس کا مقصد یہ ہوا کہ تم اپنی ذات پر بلکہ اپنی پسند اور ناپسند پر خلافت کے حفظ و بقا کو ترجیح دیتی ہو، کم از کم تم جیسی بہن سے میں یہ توقع نہ رکھتا تھا!

سیدۃ الملک نے ایک تجویز مفاہمت پیش کرتے ہوئے کہا:۔

سیدۃ الملک:۔ اچھا اگر وہ سچا ہے اگر واقعی وہ صلاح الدین کو قتل کرسکتا ہے تو پہلے اپنے دعوے کو عمل سے ثابت کرے پھر یہ سوال اٹھائے!

عاضد نے محسوس کر لیا اب پانی مر رہا ہے سیدۃ الملک نیم رضامند ہے اس نے کہا :-

خلیفہ عاضد :- لیکن بغیر کسی امید کے وہ کیسے اتنی بڑی مہم کا بیڑا اٹھا سکتا ہے ؟ یا کم از کم تم وعدہ کر لو ، یہی اس کی سرخوشی کے لئے کافی ہو گا ۔ کیا تم اتنا بھی فی الحال نہیں کر سکتیں ؟

یہ کہہ کر عاضد مسکرایا ، اور سیدۃ الملک کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے خوشامدانہ طور پر محبت بھری نظروں سے بہن کو دیکھنے لگا ۔ اس منظر سے سیدۃ الملک بھی بہت متاثر ہوئی ، اس کا جی چاہا کہ رضامندی کا اقرار کر لے ، اور بھائی کی خواہش پوری کر دے ، لیکن دفعتہً اس کی نگاہ تصور میں ابوالحسن کی بدنمائی ، اور کریہہ المنظر صورت پھر گئی ، ساتھ ہی ساتھ اس کی بدنظری ، اور خباثت نفس بھی یاد آ گئی اور فوراً ہی عمادالدین کی پچھلی تصویر بھی نظر کے سامنے پھرنے لگی ، اس کیفیت نے اس کے وقتی اثار کو بدل دیا ، اور جو ارادہ ابھی اس نے قائم کیا تھا ، اس سے منحرف ہو گئی ، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا ، اور اس نے گردن جھکا لی ، خلیفہ عاضد نے یہ سمجھا کہ سیدۃ الملک رضامند ہو گئی ہے لیکن شرم کی وجہ سے صاف الفاظ میں اقرار کرتے ہوئے ہچکچاتی ہے ، اس نے سمجھانے کے لہجہ میں کہا ،

خلیفہ عاضد :- دیکھو بہن اگر تم نے یہ بات مان لی تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے یہ شخص تمہارے لئے ہر طرح موزوں اور مناسب ہے اور پھر یہ بھی تو سوچو ، وہ ہمیشہ ہمارے لطف و عنایت سے بہرہ ور ہوتا رہے گا ۔۔۔ بتاؤ کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم رضامند ہو ؟

سیدۃ الملک کو اپنے سوال کے جواب میں خاموش پا کر عاضد نے کہا ،

خلیفہ عاضد :- اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ ابوالحسن سے شادی کر کے مبتلا مصیبت ہو جاؤ گی ، تو اسے فراموش نہ کرو کہ شادی نہ کر کے اسے نظرانداز کر کے نہ صرف

تم، نہ صرف میں، بلکہ ہمارا سارا خاندان ایسی مصیبتوں کا شکار ہو جائے گا، جس کا اس وقت تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اور وہ بہت برا دن ہو گا ــــــ خدا اس سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔!

یہ کہہ کر عاضد نے سیدۃ الملک پر ایک نظر ڈالی، اور تسبیح کو گردش دینے لگا۔ سیدۃ الملک بڑے غور اور توجہ سے بھائی کے الفاظ سُن رہی تھی اور محسوس کر رہی تھی کہ واقعی عاضد کی بات غلط نہیں ہے، آگے چل کر میری اس ضد اور انکار سے نہ جانے کیا مصیبتیں پیش آئیں، وہ سب میرے کھلتے ہیں میرے نامۂ اعمال میں درج کی جائیں گی اور سچ مچ یہ بہت برا ہو گا۔ اتنی بڑی ذمہ داری مجھے نہ قبول کرنی چاہئے پھر اپنے خیال کو مزید وضاحت سے سمجھنے کے لئے خلیفہ سے کہا

سیدۃ الملک: میں سمجھی نہیں آپ کیا چاہتے ہیں، کیا اس سے بھی بڑی کوئی مصیبت درپیش آ سکتی ہے؟

خلیفہ عاضد: ہاں ــــ کیا تم سننا چاہتی ہو؟

سیدۃ الملک: ضرور ــــــ!

خلیفہ عاضد: کیا تم سُن سکو گی ــ؟

سیدۃ الملک: کیوں نہیں۔ آپ کہئے تو۔

خلیفہ عاضد: تو سنو! ــ اگر تم انکار پر قائم رہیں تو تمہیں ایک ایسے شخص سے شادی کرنا پڑے گی جس کو قبول کرنے سے نہ تم انکار کر سکو گی نہ اس کا پیام رد کرنے کی میں جسارت کر سکوں گا! ــ

سیدۃ الملک: (پریشان ہو کر) کیا ایسا ہو سکتا ہے، کیا کوئی ایسی جرأت نار...

بھی کر سکتا ہے ؟

خلیفہ عاضد: ہاں ـــــ وہ شخص، جو ہماری زندگی میں ہمارے حقوق سے ہم کو محروم کر سکتا ہے جو ہمارے ہوتے ہوئے، اپنا اقتدار قائم کر سکتا ہے جو ہمارے نام سے زماں روائی کرتا ہے اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ـ قبول کرنے پر مجبور ہوں گے ـــــ یہ ہماری بے بسی کی انتہا ہے ـ !

یہ الفاظ سیدۃ الملک پر بجلی بن کر گرے، لیکن اسے بھائی کی بات پر یقین نہ آیا۔ اسے اس بات پر بھی یقین نہ آیا، اُس نے ذرا ترشی کے ساتھ دریافت کیا ـــــ

سیدۃ الملک: کیا آپ کی مراد صلاح الدین سے ہے ؟

خلیفہ عاضد: ہاں میں یہ خیال صلاح الدین کے بارے میں ظاہر کر رہا ہوں بتا: اب کیا کہتی ہو ـــــ بتاؤ اب کیا کہہ سکتی ہو ؟

یہ سنکر سیدۃ الملک پر سکتہ سا طاری ہوگیا معلوم ہوتا تھا خون اس کی رگوں میں منجمد ہوگیا، ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے سانس کی آمد و شد رُک گئی، اس کا بدن کانپ رہا تھا، اس کے بدن کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔

عاضد نے اس کی یہ کیفیت دیکھی، تو وہ بھی گھبرا گیا، اس نے بہن کی گردن میں بانہہ ڈال دی، اور محبت آمیز لہجہ میں کہا

خلیفہ عاضد: تم بہت متاثر نظر آرہی ہو، تمھیں اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں نجات کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے، ابوالحسن کو اپنا کر اس خطرہ سے تم بھی بچ سکتی ہو، اور تمہارا خاندان بھی، ہمت، حوصلہ، اور صحیح قوت فیصلہ سے کام لو ـــــ

لیکن سیدۃ الملک کی مدہوشی اور سراسیمگی اب تک قائم تھی۔ وہ اب تک اس قابل

نہیں ہوئی تھی کہ بات چیت کر سکے۔ یا کسی سوال کا جواب دے سکے، خلیفہ عاضد نے اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا:۔

خلیفہ عاضد:۔ بہن میں پھر کہتا ہوں اس قدر پریشان اور حواس باختہ نہ ہو۔ اب بھی وقت ہے اب بھی تم اپنے آپ کو اس عظیم اور مہیب خطرہ سے بچا سکتی ہو۔!

اب سیدۃ الملک ذرا سنبھلی، اس نے سوال کیا۔

سیدۃ الملک:۔ کیا صلاح الدین نے آپ کو پیام دیا ہے؟

خلیفہ عاضد:۔ ہاں بھی اور نہیں بھی۔!

سیدۃ الملک:۔ یہ متضاد بات میں نہیں سمجھ سکی۔ صاف صاف کہیئے۔

خلیفہ عاضد:۔ اس نے باقاعدہ پیام تو ابھی نہیں دیا، لیکن دینے والا ہے۔!

سیدۃ الملک:۔ یہ آپ نے کیسے جانا؟

خلیفہ عاضد:۔ اس طرح کہ صلاح الدین کا ایک خاص آدمی آج میرے پاس آیا تھا بہت دیر تک بیٹھا اور اس کی باتوں سے جو نتیجہ میں نکال سکتا تھا۔ وہ وہی تھا۔ جسے ابھی میں نے تمہارے سامنے پیش کیا!

سیدۃ الملک:۔ آخر کیا کہا تھا اُس نے؟۔

خلیفہ عاضد:۔ اس نے کہا تھا، صلاح الدین کا ارادہ ہے کہ وہ خلیفہ عاضد کی بہن سے شادی کر کے اپنے شرف میں اضافہ کرے لیکن قبل اس کے کہ یہ سوال باقاعدہ وہ پیش کرے یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس راستے میں کوئی رکاوٹ تو نہیں ہے؟

سیدۃ الملک:۔ اس نے آپ سے یہ باتیں کیں؟

خلیفہ عاضد:۔ ہاں۔! میں غلط نہیں کہتا، اور ان باتوں سے جو نتیجہ میں نے نکالا

ہے، وہ بھی غلط نہیں ہو سکتا!

سیدۃ الملک:۔ آپ بجا فرماتے ہیں، لیکن یہ ارشاد فرمایئے کہ آپ نے پھر جواب کیا دیا اس آدمی کو—؟

خلیفہ عاضد:۔ پہلے تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کہہ دوں ابوالحسن سے تمھاری نسبت ہو چکی ہے۔ پھر تمھارا خیال آیا کہ نہ جانے میرے اس جواب کو تم پسند کر دیا نہ کرو لہذا میں نے اُسے ٹال دیا، اور کل جواب دینے کا وعدہ کر کے رخصت کر دیا، اب آج تم سے بات کرنے کا مقصد یہی ہے کہ تمہاری رائے معلوم کر دوں، بتاؤ، تم کیا چاہتی ہو۔؟ اب فیصلہ کی گھڑی آگئی ہے تمھیں صلاح یا ابوالحسن میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑیگا۔ اب بات نہیں ٹل سکتی، بس سوچنے کی بات یہ ہے کہ ابوالحسن لاکھ برا ہونے کے باوجود اپنا ہے، اور صلاح الدین اس کے مقابلہ میں لاکھ برتر ہونے کے باوجود نہ صرف غیر ہے، بلکہ ہم سب کے لئے بے حد خطرناک بھی ہے —— اب تم اپنی رائے صاف صاف ظاہر کر دو——

لیکن سیدۃ الملک نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بدستور خاموش بیٹھی رہی، کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد عاضد نے پھر اپنا سوال دہرایا:

خلیفہ عاضد:۔ جواب دو سیدۃ الملک، میں کچھ پوچھ رہا ہوں اور وہ کوئی معمولی بات نہیں، بہت اہم بات ہے۔ اس پر ہم سب کے مستقبل اور زندگی کا فیصلہ ہے کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم ابوالحسن کو صلاح الدین پر ترجیح دیتی ہو؟

سیدۃ الملک بدستور اپنے فکر و خیال میں غرق تھی، وہ ابوالحسن سے اتنی متنفر ہو چکی تھی کہ اس کے مقابلہ میں صلاح الدین کو گوارا کر لینے پر بھی اپنے تیئں آمادہ پا رہی تھی، لیکن

ابھی کوئی فیصلہ صحیح معنے! میں نہ کر سکی تھی :

خلیفہ عاضد اس کی اس بے موقعہ خاموشی سے جھنجلا گیا، اس نے ذرا تلخی کے ساتھ پوچھا۔

خلیفہ عاضد: آخر تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتیں۔؟ اس مسلسل خاموشی کا مطلب کیا ہے ؟

سیدۃ الملک:۔ آپ کا خیال درست ہے

یہ سنکر خلیفہ خوش ہو گیا۔ اُس نے سوچا۔ ساری گتھلی حل ہو گئی سیدۃ الملک کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے فیصلہ کر لیا، اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ وہ صلاح الدین کے مقابلہ میں ابوالحسن کو پسند کرے گی ا—— یہ سوچ کر امید بھرے لہجہ میں اس نے

خلیفہ عاضد۔ تو میں کیا جواب دوں؟ کیا یہ کہہ دوں کہ سیدۃ الملک کی نسبت ابوالحسن سے ہو چکی ہے ؟

بغیر کسی تامل اور پس وپیش کے سیدۃ الملک نے کہا:۔

"اس کو یہ جواب دیجئے کہ سیدۃ الملک کی نسبت ہو چکی ہے، لیکن ابوالحسن کا نام نہ لیجئے

اس عجیب وغریب شرط پر عاضد بھنا گیا، اس نے خفگی کے لہجہ میں کہا:۔

خلیفہ عاضد:۔ کیا مطلب ——؟

سیدۃ الملک:۔ بس نسبت کا اعتراف کر لیجئے اور ابوالحسن کا نام نہ لیجئے صلاح الدین کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ آپ سے دریافت کرے، کس سے نسبت ہوئی ہے!

اب عاضد، سیدۃ الملک سے اور اس کی باتوں سے بیزار اور پریشان ہوتا جا رہا تھا اس نے تسبیح کی گردش روک کر اور اپنے غصہ کو ضبط کر کے کہا۔

خلیفہ عاضد:۔ لیکن اس عجیب وغریب شرط کا مقصد کیا ہے آخر.

سیدۃ الملک:۔ مقصد یہ ہے کہ صلاح الدین سے نجات مل جائے گی، اور ابوالحسن
...صیبت سے بھی دوچار نہ ہونا پڑے گا۔!

ان باتوں سے عاضد کو بہت غصہ آیا، لیکن یہ غصّہ اور برہمی کے اظہار کا موقعہ نہ تھا۔
...ں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا

خلیفہ عاضد:۔ تم نہیں سمجھتیں، اگر تمھارے منسوب کا نام نہ لیا گیا۔ تو صلاح الدین
...خیال کرنے گا۔ کہ ہم اُسے دھوکا دے رہے ہیں اُسے بیوقوف بنا رہے ہیں، ٹال رہے
...ہیں اس کی بات کو، اور اس کا بہت بُرا اثر پڑے گا:۔— لہذا میری رائے تو یہ ہے
...صلاح الدین کے آدمی سے یہی کہا جائے کہ سیدۃ الملک کی نسبت ابوالحسن سے ہو چکی
...ہے پھر اس کے بعد واقعی وہ اپنا ارادہ ترک کرنے پر مجبور ہو جائے گا— دیکھو
...ضد نہ کرو، بات مان لو!

لیکن سیدۃ الملک اپنی بات پر، اپنے فیصلہ پر، اپنی رائے پر، اڑی ہوئی تھی،
...س نے بغیر کسی جھجک کے کہا:

سیدۃ الملک:۔ نہیں نہیں، ہرگز ایسا نہ کیجئے گا۔ میں اس کی اجازت نہیں دے
...سکتی، ایسا نہیں ہو سکتا۔!

خلیفہ عاضد:۔ اب تک میں رفق وملاطفت، نرمی، اور شائستگی کے ساتھ، میں تمھیں
...صورتِ حالات کی سنگینی سے واقف کرا رہا ہوں، لیکن تم کسی طرح معقولیت کے راستے
...پر آنے کا نام ہی نہیں لیتیں۔!

سیدۃ الملک نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا،

سیدۃ الملک :۔ میں ابوالحسن کو کسی طرح قبول کرنے پر اپنے نفس کو آمادہ نہیں کر سکتی ـــ میری نفرت کی کوئی انتہا نہیں ہے اس سے !

یہ دو ٹوک جواب سنکر عاضد کو نرم ہو جانا پڑا۔ اس نے کہا۔

خلیفہ عاضد :۔ میری بہن ضد سے کام نہ لو، عقل سے کام لو، عقل سے !

سیدۃ الملک :۔ جو کچھ بھی ہو میرا فیصلہ اٹل ہے اور وہ کسی طرح نہیں بدل سکتا۔

خلیفہ عاضد :۔ میں تمہیں بہت عقل مند، دور اندیش، مدبرہ اور نہ جانے کیا کیا سمجھا کرتا تھا۔ تمہاری عزت کرتا تھا، تمہارے متعلق میری رائے بہت اچھی، بہت اونچی تھی۔

سیدۃ الملک :۔ میں اجازت دیتی ہوں، اپنی رائے میرے بارے میں بدل دیجئے اور ـــ مجھے بدترین اخلاق کا سمجھنے لگئے اور یقین کیجئے ذرا بھی شکایت نہ کروں گی آپ سے !

خلیفہ عاضد :۔ اگر تم ایک بھائی کی حیثیت سے میری بات نہیں مانتیں، تو اسے بھی نہ بھولو، کہ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین بھی ہوں اور تمہارا جائز، قانونی اور شرعی ولی بھی ہوں ـــ کیا تم میرے اس حق سے بھی انکار کر سکتی ہو ؟

اب تک سیدۃ الملک بڑے تحمل کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر رہی تھی، لیکن اب اُسے بھی غصہ آیا، اس کی جرأت ابھر آئی اور طبیعت بھڑک اٹھی، اس نے تیوری چڑھا کر، تلخ اور تند لہجہ میں جواب دیا،

سیدۃ الملک :۔ آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔

خلیفہ عاضد :۔ ہاں ـــ مجبور ہو کر !

سیدۃ الملک :۔ میں آپ کے اس اقتدار کو تسلیم کرتی ہوں، جو میری ذات پر آپ کو

...صل ہے لیکن اس کے باوجود میں ابوالحسن کو قبول کرنے سے صاف انکار کرتی ہوں اور
...ب پر یہ بات واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنے ارادے سے
...ف نہیں کر سکتی، کسی طرح بھی میں اس پر مجبور نہیں کی جا سکتی کہ ابوالحسن میرا شوہر بنے
...ں اسے ٹھکراتی ہوں، میں اس سے نفرت کرتی ہوں، میں اس کی صورت دیکھنے کی بھی
...ادار نہیں ہوں۔

خلیفہ عاضد:۔ لیکن کیوں ـــ ؟ اتنی سخت رائے کیوں قائم کی ہے تم نے؟ ـــ

سیدۃ الملک:۔ اس لئے کہ وہ منافق ہے، غدار ہے، بدترین خلائق ہے!

خلیفہ عاضد:۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ تم ابوالحسن کو تو نہیں قبول کر سکتیں، لیکن
...لاح الدین کو قبول کر لو گی ـــــ

سیدۃ الملک نے بغیر کسی تامل کے جواب دیا

سیدۃ الملک:۔ اگر میں بالکل مجبور ہو گئی اور کوئی چارہ کار میرے لئے باقی نہ رہا
...ے تک ابوالحسن کے مقابلہ میں صلاح الدین کو قبول کر لوں گی، اگرچہ یہ فیصلہ بھی میری
...رائے کے خلاف ہوگا۔ لیکن بہرحال ایک بڑی مصیبت کے مقابلہ میں چھوٹی
...صیبت برداشت کی جا سکتی ہے ـــــ سو اسے برداشت کر لوں گی!

عاضد کو سیدۃ الملک سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ یوں، صاف، بیباک، اور بے حجاب
...ور میں گفتگو کر سکتی ہے۔ لیکن سیدۃ الملک نے ایسا کیا، اور عاضد سوا حیران ہونے
...کے اور کچھ نہ کر سکا۔ اس نے محسوس کیا۔ یہ موقع کسی قسم کی سختی کا نہیں ہے، وہ پھر نرم
...ڑ گیا، اور اس نے کہا:

خلیفہ عاضد:۔ مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی کہ اپنی ضد پر تم مجھے اور اپنے خاندان

کو بھینٹ چڑھادو گی ـــ اور یہ میرا یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ تم اس شخص سے شادی
کرنے پر رضامند ہو گئی ہو، جس نے مجھے تباہ و برباد کر دیا ہے جس نے میری زندگی غارت
کردی ہے، میرے خاندانی شرف کو ختم کر دیا ہے جو میرا میرے خاندان کا خلافت فاطمی کا
بدترین دشمن ہے، جس بہن کو میں دنیا میں سب سے عزیز رکھتا تھا، سب سے زیادہ
چاہتا تھا ــ وہ یوں میری دشمن بن جائے گی؟ ـــ یوں میرے تباہ کرنے پر تل جائے
گی۔ یوں میرے دشمنوں کا ساتھ دے گی؟ اور ذرا بھی رحم و مروت سے کام نہیں لے
ـــ آہ، یہ دنیا، واقعی خون سفید ہو گیا ہے، اس زمانہ میں، کسی سے امید قائم کرنا، کسی
کو دوست سمجھنا، کسی سے ہمدردی کی توقع رکھنا، اول درجہ کی حماقت ہے! ـــ

سیدۃ الملک نے ان جذباتی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا، اسے خاموش دیکھ کر
عاضد نے فیصلہ کن انداز میں کہا!

خلیفہ عاضد:- بہرحال اب میں اپنے حقوق اور اختیارات سے کام لوں گا بغیر
اس کے کام نہیں چل سکتا! میں تمہارا جائز ولی ہوں، اور مجھے حق ہے کہ تم سے صلاح مشورہ
کئے بغیر جس سے چاہوں تمہاری شادی کر دوں، تم اس کی بیوی بننے پر مجبور ہو!

سیدۃ الملک:- نہیں آپ شرعاً ایسا نہیں کر سکتے، میں بالغ ہوں اور مجھے پورا
حق ہے کہ جس کو چاہوں، اپنا رفیق زندگی منتخب کر لوں!

خلیفہ عاضد:- تم غلط کہتی ہو، کیا تم کو اس امر کی اجازت دے دوں کہ تم گھر
سے باہر نکلو، اور جو آدمی تمہیں پسند آجائے، اس سے شادی کر لو، تم ایک بہت اونچے
خاندان کی لڑکی ہو، دنیا میں تمہارے خاندان سے بہتر خاندان کوئی بھی نہیں ہے، میں
خاندان کا رکھوالا ہوں، سربراہ ہوں، اس کی عزت، ناموس، اور محافظ ہوں، ایک

ے بھی تمھاری خودسری، اس سلسلہ میں برداشت نہیں کر سکتا، تمھیں میرا حکم ماننا پڑے
یہ میرا فیصلہ ہے اور میرا فیصلہ اس لئے ہے کہ اس کی تعمیل ہو!

سیدۃ الملک یہ باتیں سنکر جل ہی تو گئی، اس نے کہا

سیدۃ الملک :۔ صرف مجھ پر۔؟

اس طنز نے عاضد کی برہمی میں اور اضافہ کر دیا، وہ بھڑک اُٹھا، اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اس نے تقریباً چیختے ہوئے کہا:

ہاں —— صرف تم پر، کم از کم میرا ایک اختیار ایسا ہے جسے کوئی بدل نہیں سکتا۔:

سیدۃ الملک :۔ لیکن میں بدلتی ہوں!

خلیفہ عاضد :۔ اور میں اسے رد کرتا ہوں؛ میری ہی بات چلے گی، تمھاری نہیں چل سکتی، ابوالحسن میرا ابن عم ہے، میں اسے تمھارے لئے منتخب کر چکا ہوں، اسی سے تمھاری شادی ہوگی، اسی کی رفیقہ حیات بننے پر مجبور ہو —— لیکن مجھے خوشی ہوگی اگر تم خوشی خوشی یہ بات منظور کر لو!

سیدۃ الملک :۔ یہ نہیں ہو سکتا کسی طرح بھی۔

خلیفہ عاضد :۔ میں تمھیں ایک موقعہ اور دیتا ہوں، ٹھنڈے دل سے خوب اچھی طرح غور کر لو، یہاں میرے سامنے نہیں، تنہائی میں، اور اگر تمھارا کوئی مشیر ہو تو اس سے مشورہ بھی کر لو۔:

یہ کہہ کر عاضد اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر جانے کے لئے اس کے ساتھ ہی سیدۃ الملک بھی اٹھ کھڑی ہوئی، وہ سوچ رہی تھی، جب عاضد اس تخیل پر اتنا برہم ہے کہ

صلاح الدین سے شادی پر رضامند ہو گئی۔ اگر کہیں اُسے یہ معلوم ہوا کہ وہ صلاح الدین کے ایک غلام سے محبت کرتی ہے۔ تب اس کے غضب اور برہمی کی کوئی انتہا ہی نہیں رہے گی۔

خلیفہ عاضد نے بہن کو اپنے پیچھے آتا دیکھ کر خیال کیا کہ وہ دھمکی میں آ گئی ہے، اور اب ابوالحسن سے شادی کر لینے پر رضامند ہو گئی ہے، یہ سوچ کر وہ دل ہی دل میں خوش ہوا، لیکن اپنی یہ کیفیت ظاہر نہیں ہونے دی، اس کے برعکس سیدۃ الملک اپنی ولنے پر اور زیادہ اٹل ہو گئی تھی۔ اور کسی طرح بھی اس سے ہٹنے پر آمادہ نہیں تھی ــــــ

دونوں اپنے خیال میں مگن تھے!

ردِّ عمل!

عاضد برہمی اور خشونت کی کیفیت اپنے اوپر طاری کئے ہوئے باہر نکلا چلا گیا، پھر سیدۃ الملک نکلی، اس نے دیکھا یا قوتہ اس کے انتظار میں کھڑی ہے دونوں میں کوئی بات چیت نہیں ہوئی آگے آگے سیدۃ الملک اور پیچھے پیچھے یاقوتہ، یہاں تک کہ یہ دونوں اپنی اقامت سرا میں پہنچ گئیں، یاقوتہ نے سیدۃ الملک کو دیکھتے ہی بھانپ لیا تھا، آج مزاج کچھ زیادہ برہم معلوم ہوتا ہے، لیکن پوچھ گچھ نا مناسب سمجھ کر خاموش رہی، وہ اس وقت پیچ و تاب کے عالم میں تھی، اور برہمی کے عالم میں مسند پر تکیہ پر ٹیک لگائے بیٹھی تھی، یاقوتہ باربار۔ سوچتی تھی، کسی طرح باب سخن وا کرے، لیکن ہمت نہیں پڑھتی تھی، لیکن بڑی سوچ بچار کے بعد ایک بات سمجھ میں آہی گئی ــــ اس نے سیدۃ الملک کے ہار، اور انگوٹھی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

یاقوتہ:۔ اپنی شہزادی کے گلے میں یہ بیش قیمت ہار اور انگلی میں یہ گراں مایہ انگوٹھی دیکھ کر میں بہت متعجب ہوں، لیکن کیا بات ہے، ایسی نایاب قیمت چیزیں پانے کے بعد بھی، میں چہرا اترا ہوا دیکھ رہی ہوں بلکہ برہمی نمایاں ہے!

سیدۃ الملک نے انگلی سے انگوٹھی نکالی، اور گلے سے ہار اُتارا، اور دونوں کو فرش پر پھینک دیا۔ اور کہا۔

سیدۃ الملک:۔ لعنت ہے اس ہار اور انگوٹھی پر، مجھے نہیں چاہیئے، یہ نادر و نایاب سوغات!

یاقوتہ نے جلدی سے اُٹھ کر دونوں چیزیں اٹھالیں، اور سیدۃ الملک کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا!

یاقوتہ :۔ واہ بھلا کوئی ایسی بدشگونی کی باتیں کرتا ہے۔ لو مبارک!

سیدۃ الملک :۔ یاقوتہ یہ چیزیں مجھے نہیں چاہئیں، میں خوشی سے تجھے دیتی ہوں لے لے :

یاقوتہ :۔ ایسی بیش قیمت چیزیں نہ مجھ پر کھپ سکتی ہیں، نہ میرے پاس رہ سکتی ہیں، یہ چیزیں تم ہی پر سج سکتی ہیں اور سجتی ہیں!

سیدۃ الملک نے سوچا، اور دونوں چیزیں یاقوتہ کے ہاتھ سے لے لیں اور انہیں اپنی صدری کی جیب میں رکھ لیا، یاقوتہ خوش ہوئی کہ اس کی بات مان لی گئی اور زیادہ اسی کے پاس پہنچ گیا، جس پر سجتا تھا، اس نے کہا

یاقوتہ :۔ اب میں خوش ہوگئی بہت زیادہ خوش ہو جاؤں گی، اگر انہیں پہن بھی لو

سیدۃ الملک :۔ (برہمی کے ساتھ) چُپ رہو یاقوتہ مجھے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔!

یاقوتہ :۔ تم ضرور خفا ہو، لیکن مجھ سے تو نہیں ہو سکتیں، شاید ہے کہ امیر المومنین نے کوئی خلاف مزاج بات کہدی ہے۔ لیکن اس کی سزا مجھ بڑھیا کو تو نہ دو بیٹی۔ میں نے تو کچھ نہیں بگاڑا ہے تمھارا ؛

سیدۃ الملک :۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میں اس وقت کسی قسم کی بات کرنا نہیں چاہتی ہے!

یاقوتہ :۔ سننا بھی نہیں چاہتیں، کوئی بات؟

سیدۃ الملک :۔ نہیں، سننا بھی نہیں چاہتی، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو!

بس اتنا چاہتی ہوں!

یاقوتہ :- پھر وہی اکھڑی اکھڑی باتیں ـــــ خدا کے لئے بتا دو، امیر المومنین سے کیا گفتگو ہوئی، جس نے تمہیں اتنا خفا کر دیا؟

سیدۃ الملک :- میرے سامنے ان کا ذکر نہ کرو، میں ان کا ذکر بھی سننا نہیں چاہتی،

یاقوتہ :- ارے امیر المومنین سے اتنی خفگی؟

سیدۃ الملک :- وہ تمہارے آقا اور امیر المومنین ہوں گے، میرے نہیں ہیں تم اُن کا کلمہ پڑھو، مجھے اُن سے دبنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے!

یاقوتہ :- خدا انھیں عمر نوح عطا فرمائے، وہ ہم سب کے مولا اور آقا ہیں!

سیدۃ الملک :- میری بھی دعا ہے کہ خدا انھیں عمر نوح عطا فرمائے لیکن ـــــ

اس کے آگے سیدۃ الملک کچھ نہ کہہ سکی، اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور ہونٹ تھرتھرانے لگے۔

یہ حالت دیکھ کر یاقوتہ بے قرار ہو گئی، اس نے پوچھا۔

یاقوتہ :- میری بچی میں تجھ پر قربان، خدا کے لئے بتا دے کیا ماجرا ہے؟ کیا بات ہوئی آخر، تم دونوں میں؟

سیدۃ الملک :- مجھے نہ چھیڑو، مجھ سے اس قسم کی باتیں نہ کرو

یاقوتہ :- اچھا نہیں کرتی ـــــ کچھ عمادالدین ہی کا ذکر کرو۔ تمہاری طبیعت تو بہلے کسی طرح!

عمادالدین کا نام سنکر سیدۃ الملک کا غصہ فرو ہو گیا، اس نے شکر گزار نظروں سے یاقوتہ کو دیکھا، مگر خاموش رہی، کچھ نہ کہہ سکی، یاقوتہ نے آگے بڑھ کر سیدۃ الملک کے

ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا۔

یاقوتہ:۔ بیٹی میں تم پر اپنی زندگی قربان کر سکتی ہوں، جان نثار کر سکتی ہوں اپنی، تمہیں خوش رکھنے کے لئے، لیکن کچھ منہ سے تو بولو، کچھ زبان سے کہو تو!

سیدۃ الملک:۔ کیا کہوں؟ —— تم نے کچھ وعدہ کیا تھا —— یاد ہے ——!

یاقوتہ:۔ ہاں یاد ہے میں نے وعدہ کیا تھا، کہ عمادالدین کی ٹوہ لوں گی، اس کے دل کا جائزہ لوں گی!

سیدۃ الملک:۔ پھر کیا کیا تم نے ——؟

یاقوتہ:۔ نہیں بیٹی اب تک مجھے موقعہ نہیں ملا اس سے ملنے کا —— لیکن جلد ہی موقعہ نکالوں گی، بس ایک آدھ دن کی مہلت دو۔!

سیدۃ الملک:۔ نہیں اتنی مہلت نہیں مل سکتی!

یاقوتہ:۔ پھر ——؟

سیدۃ الملک:۔ میں آج ہی عمادالدین سے ملنا چاہتی ہوں!

یہ سنکر یاقوتہ چونک پڑی، سیدۃ الملک ہر واسطہ کو ہٹا کر خود ہی براہ راست اس سے ملاقات کرنے پر تل گئی تھی، اُسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا، اس نے مستفسرانہ طور پر کہا

یاقوتہ:۔ کیا کہا تم نے؟

سیدۃ الملک:۔ میں عمادالدین سے ملنا چاہتی ہوں۔ کیا میرا یہ کام تم کر سکتی ہو؟ اگر کر سکتی ہو تو اقرار کرو، ورنہ انکار کر دو —— بات ختم!

یاقوتہ:۔ انکار کرنے کی جرأت کہاں سے لاؤں؟ —— کروں گی یہ کام آج ہی لیکن خدا کے لئے خوش ہوجاؤ!

سیدۃ الملک:۔ اگر تم نے پکا وعدہ کیا ہے تو مجھے خوش ہی سمجھو!

یاقوتہ:۔ وعدہ تو سچا اور پکا ہے لیکن ایک شرط کے ساتھ ساتھ مشروط ہے

سیدۃ الملک:۔ کیا ہے تمھاری شرط؟

یاقوتہ:۔ تمھارے اور خلیفہ عاضد کے مابین گفتگو کیا ہوئی؟ یہ بتاؤ۔ بغیر اس کے میرا وعدہ کچا اور بودا سمجھو ——— !

سیدۃ الملک کی پریشانی اب رفع ہو چکی تھی، یاقوتہ کے وعدے نے، اُسے مسرور کر دیا تھا، اُس نے کہا!

سیدۃ الملک:۔ آؤ بیٹھو ساری رام کہانی ابھی سنائے دیتی ہوں۔ لیکن بیچ میں کچھ نہ بولنا ——— !

یاقوتہ نے وعدہ کر لیا، اور سیدۃ الملک نے اپنی اور عاضد کی ساری گفتگو اسے سنادی

یاقوتہ نے دل میں سوچا، یہ جو خلیفہ اور سیدۃ الملک کی کھٹک گئی ہے یہ اچھا نہ ہوا اسے خلیفہ سے اس طرح جنگ بھی نہ کرنی چاہیئے تھی، اس کے نتائج کسی طرح بھی اچھے نہیں ہو سکتے، لیکن اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی، کہ وہ اپنی شہزادی کو ٹوکتی، یا اس کی غلطی اس پر واضح کرتی، جبکہ وہ اُسے برہم، اور غضبناک بھی دیکھ رہی تھی وہ چپ چاپ شہزادی کی باتیں سنتی رہی، پھر اس نے شہزادی سیدۃ الملک کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا!

"میں اپنا وعدہ پورا کروں گی!" ———

اور پھر محل کے دوسرے کاموں میں مشغول ہو گئی۔

عمادُالدّین!

واقعی ابوالحسن کی لگائی ہُوئی آگ بڑھ رہی تھی، پھیل رہی تھی،

عیسٰے اھکاری، کتب خانہ سے نکل کر، سیدھا صلاح الدین کے پاس پہنچا، اس نے جو ابوالحسن سے سُنا تھا، اسی کی بنیاد پر اُسے مشورہ دیا کہ وہ خلیفہ عاضد کی بہن سے شادی کر لے، صلاح الدین عیسٰی کی باتوں کو بہت وزن دیتا تھا۔ اس کے مشوروں کی بڑی وقعت تھی، اُس کی نظر میں، لیکن یہ ایسی بات تھی کہ وہ فوراً اسے ماننے پر اپنے تئیں آمادہ نہ کر سکا، اس نے جواب دیا :۔

صلاح الدین :۔میں نے تمھاری رائے سُن لی، لیکن اس معاملہ میں جب تک والد نجم الدین سے مشورہ نہ کر لوں کچھ نہیں کہہ سکتا !

عیسٰی نے بات بنتی نہ دیکھی، اور اندیشہ ہوُا کہیں نجم الدین اس تجویز کی مخالفت نہ کرے، پھر صلاح الدین کچھ نہ کر سکے گا۔ اور نجم الدین چونکہ ایک حد تک خلیفہ کا ہمدرد تھا۔ اس لئے بظاہر یہ یقین تھا کہ وہ اس شادی کی تائید نہیں کرے گا۔ یہ سب سوچ کر اس نے کہا۔

عیسٰی :۔ نہیں اس باب میں امیر نجم الدین سے مشورہ کرنا کسی طرح قرین مصلحت نہیں — اس کا فیصلہ آپ ہی کو کرنا چاہیئے

صلاح الدین اب بھی مطمئن نہ ہوُا، اس نے کہا :۔

صلاح الدین :۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ حکومت ہماری مٹھی میں ہے

ہم سیاہ وسفید کے مالک ہیں، جسے چاہتے ہیں معزول کر دیتے ہیں جسے مرضی ہوتی ہے
ترقی کے آخری زینہ پر پہنچا دیتے ہیں، ہمارا چاہا ہو کر رہتا ہے، پھر ہم اس خطرناک
وادی میں کیوں قدم رکھیں۔؟

عیسٰی کو صلاح الدین کی یہ دور اندیشی پسند نہ آئی اُس نے کہا

عیسٰے:۔ میں نہیں سمجھتا میرے آقا، خطرناک وادی سے آپ کی کیا مراد ہے ؟

صلاح الدین:۔ جب سب کچھ ہمارے ہاتھ میں ہے تو پھر خلافت حاصل کرنے کی ہم سعی کیوں کریں ؟ پھر یہ کہ آج سے پہلے کسی غیر عرب نے یہ جرأت نہیں کی
کہ یہ بات سوچ بھی سکتا !

عیسٰے:۔ اس سے کیا ہوتا ہے ؟

صلاح الدین:۔ مجھے اندیشہ ہے سب کچھ لے لینے کی تمنا میں کہیں ہم وہ بھی کھو بیٹھیں، جو ہمارے قبضہ میں ہے !۔۔۔ کیا یہ صورت تمہارے نزدیک بہتری کی ہوگی؟

یہ کمزوری کی باتیں عیسٰے کو ذرا بھی پسند نہ آئیں، اس نے کہا :

عیسٰے:۔ آج سے پہلے میں نے آپ کو اتنا ضعیف الارادہ کبھی نہیں پایا تھا۔ اگر اب تک کسی غیر عرب نے خلیفہ بننے کی کوشش نہیں کی تو اس سے کیا ہوتا ہے آپ ہر اعتبار سے اہل تر ہیں، کوئی وجہ نہیں کہ آپ کی اہلیت رائگاں جائے :

صلاح الدین:۔ نہیں میں اپنے آپ کو ایسا نہیں سمجھتا :

عیسٰے:۔ اچھا اگر آپ اپنے تئیں ایسا نہیں سمجھتے اور خلیفہ نہیں بننا چاہتے تو کم از کم اپنی اولاد سے تو یہ حق نہ چھینئے۔۔۔ اگر آپ خلیفہ کی بہن سے شادی کر لیں تو کوئی شبہ نہیں، آپ کی اولاد بڑی آسانی سے یہ منصب حاصل کر سکے گی :

صلاح الدین کچھ سوچنے لگا ـــــ

عیسےٰ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا

عیسیٰ :۔ پھر یہ بھی تو سوچئے، سیدۃ الملک حسن وجمال میں بھی اپنی مثال آپ ہے!

صلاح الدین :۔ لیکن میں قریشی کب ہوں ؟ کیا یہ میرے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ نہیں ہے ؟

عیسےٰ :۔ بالکل نہیں ہے ـــــ

صلاح الدین :۔ وہ کیسے ؟

عیسےٰ :۔ اسلامی فتوحات کے بعد بہت سے قریشی صحابہ نے مفتوحہ ممالک میں مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی !

صلاح الدین :۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے ؟

عیسےٰ :۔ ہم بڑی آسانی سے ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ کے جدا مجد کا سلسلہ نسب کسی قریشی سے ملتا ہے۔

عیسےٰ کی باتوں سے صلاح الدین دل ہی دل میں مطمئن ہو گیا۔ اُسے یقین ہو گیا، کہ قریشی النسب بن جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور پھر خلافت پر قابض ہو جانا اور زیادہ آسان ہے لیکن با ایں ہمہ اُسے جرأت نہیں ہوئی تھی کہ خلیفہ کو اس کی بہن کا پیام دے لیکن عیسےٰ کا اصرار تھا کہ لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہا تھا، آخر جب صلاح الدین بالکل مجبور ہو گیا تو اس نے عیسےٰ سے کہا:

" ابھی اس معاملہ کو تحریری طور پر اُٹھانا مناسب نہیں ہے، تم خلیفہ سے ملاقات کرو، اس کا عندیہ لو، اُسے ٹٹولو ـــــ پھر دیکھا جائے گا۔ پھر کوئی اقدام کر سکنے کے

معاملہ پر غور کروں گا ــــ

عیسیٰ خوش ہو گیا اور خلیفہ کے پاس جانے پر آمادہ ہو گیا، اس نے کہا:

عیسیٰ :۔ آپ کی یہ تجویز صائب ہے، میں خلیفہ کے پاس جاتا ہوں، اور اس سے استمزاج کرتا ہوں ۔!

جب وہ جانے کے لئے اٹھنے لگا، تو صلاح الدین نے اس سے کہا:۔

صلاح الدین :۔ ہاں ــــ ایک بات کا خیال رکھنا ــــ گفتگو اپنے طور پر کرنا، میری طرف سے نہیں ۔!

عیسیٰ :۔ بہت خوب ــــ یہ بھی مصلحت ہے، اور میں اس مصلحت کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔

عیسیٰ صلاح الدین کے پاس سے اٹھ کر سیدھا خلیفہ کے حضور میں پہنچا۔ اور اس سے شادی کی بات چیت کا ڈول اپنے طور پر ڈالا، لیکن خلیفہ نے کوئی واضح جواب نہیں دیا دوسرے دن جواب دینے کا وعدہ کر کے ٹال دیا!

ادھر عیسیٰ کو استمزاج کے لئے صلاح الدین نے خلیفہ کے پاس بھیج تو دیا، لیکن اب اس کے جانے کے بعد، پھر سے جب سارے مسئلہ پر غور کیا، تو محسوس کیا، میں نے جلدبازی کی ہے کم از کم والد محترم امیر نجم الدین سے مشورہ کر لینا چاہیئے تھا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے وہ اب تو عیسیٰ جا چکا، پھر خیال آیا، عیسیٰ کے واپس آنے کے بعد، اور گفتگو کا نتیجہ معلوم ہونے کے بعد، نجم الدین سے مشورہ کرے گا، وہ ابھی تخیلات میں گھرا بیٹھا تھا کہ حاجب آیا اس نے عرض کیا

"دستر خوان چنا جا چکا ہے اور امیر نجم الدین کھانے پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں"

یہ سنکر صلاح الدین فوراً قصر لولو کے اس کمرہ میں پہنچا، جو کھانے کے لئے مخصوص تھا اور ادب سے باپ کے پاس بیٹھ گیا۔

نجم الدین نے اُسے شفقت و محبت کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے کہا،

نجم الدین:۔ بیٹے میں تمھاری شکایت تم سے کرنا چاہتا ہوں۔

صلاح الدین:۔ ارشاد ——

نجم الدین:۔ تم سپاہیوں اور افسروں کی ورزش کا کچھ زیادہ خیال نہیں کرتے، یہ غفلت ہے، اور میر سپاہ کے لئے ہرگز مناسب نہیں۔

صلاح الدین:۔ بہت خوب —— اب اس کا لحاظ رکھوں گا۔

نجم الدین:۔ ہاں —— یاد رکھو، سپاہی اور افسر جب مشغول ہوں گے، تو وفادار رہیں گے اور سازشوں سے دور رہیں گے لیکن جب وہ بیکار ہوں گے، تو ان کی وفاداری متزلزل ہو جائے گی اور وہ سازشی ماحول خود پیدا کریں گے -!

صلاح الدین:۔ لیکن ان چیزوں کا حتی الامکان میں خیال رکھتا ہوں، ہر ہفتہ ورزشی کھیل ہوتے ہیں، گھوڑ دوڑ ہوتی ہے، کامیاب سپاہیوں اور افسروں کو انعامات دیئے جاتے ہیں، خلعت ملتے ہیں، ان کی ہمت بڑھاتے ہیں، انہیں ترقی کا موقعہ دیتے ہیں! —— بلکہ آج بھی ایک اسی قسم کا ورزشی اجتماع ہے، میری بڑی عزت افزائی ہوگی، اگر آپ اسے ملاحظہ فرمائیں۔

نجم الدین:۔ ہاں بڑی خوشی سے، میں تو ایسے مواقع کا جویا رہتا ہوں!

صلاح الدین:۔ آپ ہمارے سپاہیوں کے ورزشی کمالات اور کرتب دیکھ کر یقیناً بہت زیادہ محفوظ اور مسرور ہوں گے!

یہ کہہ کر صلاح الدین نے عماد الدین کو آواز دی، اس کی آواز سنتے ہی ایک خوش رو
وش اندام، باوقار، اور خوب صورت تنومند اور وجیہہ نوجوان سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔
نجم الدین نے اسے بہت غور سے دیکھا، اور اس کی مستعدی دیکھ کر خوش ہوا۔
صلاح الدین نے عماد الدین کو بتایا کہ آج کے ورزشی اجتماع میں تمام منتخب افسروں
پاہیوں کو شرکت کی تاکید کر دی جائے پھر اسے حکم دیا کہ وہ بھی قصر کے سامنے والے میدان میں
ت وقت پہ پہنچ جائے۔ عماد الدین نے اپنے آقا کے سامنے سر اطاعت خم کیا اور چپ
بباہر نکلا چلا گیا۔

صلاح الدین پھر باپ کی طرف مخاطب ہوا، تو دیکھا، وہ مسکرا رہا ہے۔
الدین نے پوچھا۔

"اباجان اس نوجوان کے بارے میں آپ کا قیافہ کیا کہتا ہے؟"

نجم الدین: میں خود اس کے بارے میں تم سے دریافت کرنا چاہتا تھا کہ یہ کون
ہے؟ مجھے تو یہ بہادر اور وفادار نظر آتا ہے کیا میرا خیال صحیح ہے؟

صلاح الدین: آپ کا خیال بالکل درست ہے آپ آج ہی ورزشی کھیلوں میں
کمالات دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور ویسے بھی یہ بڑا اچھا آدمی ہے مجھ سے بہت
کرتا ہے میرے ایک اشارے پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہتا ہے بے انتہا وفادار
ہے یقین فرمایئے اگر میں حکم دوں کہ جلتی ہوئی آگ میں کود جا، تو ایک لمحہ کے توقف کے
بھڑکتے ہوئے شعلوں میں اپنے آپ کو ڈال دے گا۔

نجم الدین: ایسے اوصاف کے آدمی بڑی مشکل سے ملتے۔ یہ نوجوان ہر طرح
ت افزائی کا مستحق ہے!

صلاح الدین :۔ ابّا جان، میں کوئی موقعہ اس کی عزت اور سربلندی کا فراموش نہیں کرتا، اسے ترقی دے کر انعام دے کر، سربلند کر کے، میں مسرت محسوس کرتا ہوں، ابھی بالکل نوعمر نوجوان ہے لیکن بہت جلد یہ معمر افسروں سے بھی بڑھ جائے گا !۔

نجم الدین :۔ کیا کیا کام سپرد ہیں اس کے ؟

صلاح الدین :۔ فی الحال تو میرے باڈی گارڈ میں شامل ہے !

نجم الدین :۔ ٹھیک ہے ۔۔۔ کیا اس کی شادی ہو گئی ہے ؟

صلاح الدین :۔ جی نہیں

نجم الدین :۔ ہو جانی چاہیئے۔

ابّا جان میں نے تو کوشش کی تھی، ایک بڑی خوبصورت اور گل اندام لڑکی میں نے اس کے لئے تجویز کی تھی، لیکن کسی طرح شادی کرنے پر آمادہ نہ ہوا ۔۔۔ میں نے مجبوراً خاموشی اختیار کر لی !

نجم الدین : جو لوگ آگے چل کر ترقی کرنے والے اور عروج حاصل کرنے والے ہوتے ہیں، وہ دنیا اور اس کی لذتوں پر فریفتہ نہیں ہوتے، وہ خواہشات کے بندے نہیں ہوتے اپنے اوپر اپنے نفس کے اوپر قابو رکھتے ہیں، قدرت رکھتے ہیں، مجھے اس نوجوان میں بہت سی صلاحیتیں نظر آتی ہیں، اس کی قدر کرو۔ اس کی حوصلہ افزائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ

تھوڑی دیر تک نجم الدین اور صلاح الدین میں اس طرح کی باتیں ہوتی رہیں، اتنے میں طبل پر چوٹ پڑی، یہ گویا اس بات کا اعلان تھا۔ کہ میدان میں سب لوگ مجتمع ہو گئے اور اب ورزشی کھیلوں کا آغاز ہونے والا ہے فوراً دونوں باپ بیٹے اٹھے اور میدان میں پہنچ گئے، یہاں ان کی نشست کے لئے بلندی پر سے دیکھنے کا انتظام تھا، یہ وہیں جا کر بیٹھ گئے۔ یہ

مقام ایک بلند بارہ دری کی صورت میں تھا، اندر تخت بچھا تھا۔ تخت پر زرکار غالیچہ پڑا تھا۔ اور ریشمی چتر لگا ہوا تھا۔ یہی ان کی نشست گاہ تھی،

نجم الدین اطمینان سے تخت پر بیٹھ گیا، اس نے دیکھا، سوار مست اور شریر گھوڑوں کو کاوا دے دے کر میدان میں ادھر سے اُدھر گھوم رہے ہیں؛ عماد الدین بھی ایک خوبصورت گھوڑے پر سوار تھا، یہ گھوڑا اپنی خوبصورتی اور سبک روی کے اعتبار سے دوسرے تمام گھوڑوں سے نمایاں اور ممتاز نظر آ رہا تھا، نجم الدین یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے صلاح الدین سے کہا،

نجم الدین:۔ جتنا اچھا سوار ہے اتنا ہی اچھا گھوڑا ؛

صلاح الدین:۔ مسکرانے لگا !

تھوڑی دیر کے بعد کھیلوں اور مقابلوں کا سلسلہ شروع ہوا، متعدد سواروں نے طرح طرح کے ورزشی کھیل دکھائے اور اپنے کمالات کا مظاہرہ کیا، پھر گھوڑ دوڑ ہوئی، اور اس موقعہ پر بھی بہت سے سواروں نے حصہ لیا۔ لیکن عماد الدین تمام کھیلوں میں سب پر بازی لے گیا۔ جب کھیل ختم ہو گئے تو سواروں کی جماعتیں تخت کے سامنے سے سلامی دیتی ہوئی گزرنا شروع ہوئیں، صلاح الدین ہر ایک جماعت کی مشق و مہارت کی داد دے رہا تھا۔ اور مناسب الفاظ میں حوصلہ افزا کلمات کہہ رہا تھا، سب کے آخر میں عماد الدین آیا، صلاح الدین نے اسے اوپر آنے کی ہدایت کی، وہ گھوڑے سے اُتر کر تخت کے قریب حاضر ہوا۔ صلاح الدین نے اس سے کہا۔

صلاح الدین:۔ والد محترم نے تمہیں یاد فرمایا ہے

فوراً ہی عماد الدین نجم الدین کے سامنے مؤدب ہو کر کھڑا ہو گیا!۔۔ نجم الدین نے کہا۔

نجم الدین:۔ ہم تمہارے کمالات دیکھ کر بہت خوش ہوئے، تم میں ترقی کرنے کی غیر معمولی صلاحیتیں نظر آرہی ہیں۔ ہمیں اُمید ہے تم اپنے آقائے ولی نعمت کی وفاداری کے ساتھ خدمت کر کے بہت زیادہ عروج حاصل کرو گے:

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے! ہمیں اس بات کی بھی خوشی ہے۔ کہ صلاح الدین تمہاری وفاداری کا معترف ہے اور تم سے بہت زیادہ خوش ہے

عماد الدین نے جُھک کر نجم الدین کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا:۔

عماد الدین:۔ میں اپنے آقا کا ایک حقیر غلام ہوں، ان کے قدموں پر اپنی زندگی فدا کر دینا میرا سب سے بڑا فخریہ کارنامہ ہے، میں بجائے خود کسی تعریف کا مستحق نہیں، مجھ میں جو کوئی بھی خوبی ہے، وہ میرے آقا کی دی ہوئی ہے،

جواب میں نجم الدین نے اس کی پیٹھ پر اظہارِ خوشنودی کے طور پر ایک تھپکی دی پھر اپنی کمر سے ایک خنجر آب دار نکالا اور عماد الدین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:۔

نجم الدین:۔ یہ لو —— میری یادگار کے طور پر اسے اپنے پاس رکھو۔!

عماد الدین نے فخر آمیز مسرت کے ساتھ یہ پیشکش قبول کر لی، اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا، صلاح الدین نے اس عزت افزائی پر کہا۔

یہ وہ اعزاز تمہیں ابا جان کی طرف سے ملا ہے جس سے میں اب تک محروم ہوں، مجھے اُمید ہے اس گراں بہا یادگار کی تم قدر کرو گے؟

نجم الدین:۔ لیکن تم نے اسے کیا دیا؟

صلاح الدین:۔ جو ارشاد ہو!

نجم الدین:۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اس کے مرتبہ میں اور اضافہ کر دو، اسے اپنے خاص

آدمیوں میں شامل کر لو

صلاح الدین: وہ تو ہے ـــــ میرا باڈی گارڈ ہے یہ!

نجم الدین: نہیں یہ کافی نہیں ہے!

صلاح الدین: میں آپ کا غلام ہوں، آپ جو حکم دیں گے بسر و چشم اسے بجا لاؤں گا

نجم الدین: اسے دوسروں پر امتیاز اور اختصاص حاصل ہونا چاہیئے اسے سایہ کی طرح تمہارے ساتھ رہنا چاہیئے اس کو اجازت ہونی چاہیئے کہ دن ہو یا رات تم سو رہے ہو یا جاگ رہے ہو، یہ ہر وقت آسکے، مل سکے، اس پر کوئی روک ٹوک نہ ہو اس پر کسی قسم کی پابندی نہ ہو، تمہارے پاس آنے کے لئے کسی قسم کی اجازت نہ ہو!

صلاح الدین: بہت خوب، اس حکم کی تعمیل اسی وقت سے ہوگی!

پھر وہ عمادالدین سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا ـــــ!

صلاح الدین: تم نے دیکھا، والد محترم تم پر کتنا اعتبار کرتے ہیں ـــــ؟

آج سے تم میرے ذاتی محافظ اعلیٰ ہو، ہر وقت سفر حضر میں تم میرے ساتھ رہوگے ـــ!

عمادالدین اس عزت افزائی پر اتنا مسرور ہوا کہ شکریہ کے الفاظ بھی کوشش کے باوجود ادا نہ کر سکا۔ اس کے دل میں صرف ایک ہی تمنا تھی۔ کاش کسی طرح مجھے اپنے آقا پر اپنی جان قربان کر دینے کا موقعہ ملے۔

پھر وہ نجم الدین اور صلاح الدین کے ساتھ محل میں پہنچا، یہاں پہنچ کر صلاح الدین نے سب سے پہلے یہ حکم دیا کہ اس کی خوابگاہ کے قریب ایک کمرہ عمادالدین کے لئے خالی کر دیا جائے، جہاں اُس کا مستقل قیام رہے گا۔ اور پھر اس نے عمادالدین کو رخصت کرتے ہوئے کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو، تھک گئے ہو آرام کر لو، لیکن اس وقت سے تم اس محل کے مکین ہو، ہر وقت تمہیں ہمارے ساتھ رہنا ہے، ہم نے تم پر وہ اعتماد کیا ہے، جو اب تک کسی پر نہیں کیا تھا. اور ہمیں توقع ہے کہ تم اس غیر معمولی اعتماد کا اپنے تئیں اہل ثابت کرو گے، اور ہمیں زیادہ سے زیادہ اپنا گرویدہ بنا لو گے ——!

یہ خنجر؟

رات کا کھانا بھی صلاح الدین اور نجم الدین نے ساتھ ساتھ کھایا، رات کے کھانے کے بعد عام طور پر کافی دیر تک مصر کے مستقبل، شام کے حالات، نورالدین زنگی کے احوال و مصالح اور دوسرے حالات پر باپ، بیٹے میں گفتگو ہوا کرتی تھی، یہ گفتگو آج بھی ہوئی لیکن مختصر، شاید اس لئے کہ دونوں تھکے ہوئے کچھ کسلمند سے تھے،۔یہی وجہ ہوئی کہ آج نجم الدین اپنی اقامت گاہ، سونے کے لئے واپس نہیں گیا، بلکہ یہیں صلاح الدین کے پاس شب باش ہو گیا۔

محل کی روشنی گل ہو گئیں، سب لوگ بستر پر خواب راحت کے مزے لینے لگے ایک عماد الدین تھا۔خواب جس کی آنکھوں سے دور تھا جو اپنے آقا کی حفاظت پر مامور تھا۔ اور اطمینان سے ایک تخت پر بیٹھا جاگ رہا تھا۔رات بھر جاگنے کی ڈیوٹی آج سے شروع ہوئی، جب رات بھیگ گئی، تو عماد الدین کو غوطہ سا آگیا، یوں بھی وہ ہوشیار نیند سوتا تھا۔لیکن آج تو بہت ہی چوکنا تھا، تھوڑی دیر کے بعد، اسے کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی وہ فوراً اُٹھ بیٹھا، باہر جاکر اِدھر اُدھر دیکھا، مگر کوئی نظر نہ آیا، آخر وہ پھر اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا، اسی طرح صبح ہو گئی، صبح ہوئی تو ایک عجیب واقعہ رونما ہوا، صلاح الدین نے اسے طلب کیا۔ وہ فوراً اس کی خدمت میں حاضر ہوا، اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ صلاح الدین کی حالت بالکل متغیر ہے، چہرہ اضطراب اور پریشانی سے سفید پڑ گیا ہے، اسی شب خوابی کے لباس میں بیٹھا ہے، لیکن حیران پریشان اور یک سر اضطراب و تشویش، یہ رنگ دیکھ کر

عمادالدین بھی پریشان ہوگیا، وہ اپنے آقا کے قریب پہنچا، تو یہ دیکھ کر اسے اور زیادہ حیرت ہوئی کہ صلاح الدین کے پاس ایک کھلا ہوا خنجر رکھا ہے اور اس پر خون کے دھبے بھی پڑے ہوئے ہیں، جو خشک ہوچکا تھا۔ عمادالدین نے یہ منظر دیکھا، اور خاموش کھڑا ہوگیا، صلاح الدین پر اب تک اضطراب کی کیفیت طاری تھی، اس نے اپنے محافظ عمادالدین سے خنجر کیطرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:۔

صلاح الدین:۔ یہ کیا ہے؟

عمادالدین:۔ خنجر ہے میرے آقا!

صلاح الدین:۔ یہاں میرے کمرے میں کیسے آیا؟ کون لایا اُسے؟ اور اس کا مقصد؟

عمادالدین:۔ ان پے بہ پے سوالات سے گھبرا گیا، وہ کچھ نہ کہہ سکا، سوا اس کے۔

عمادالدین:۔ میرے آقا، غلام نے بھی اسے، ابھی اسی وقت، اور یہیں دیکھا ہے:۔ لیکن آقائے نامدار، یہ کس کا فعل ہو سکتا ہے

صلاح الدین:۔ میں خود حد درجہ متحیر ہوں، خود میری عقل بھی کام نہیں کرتی ——— میں ابھی بیدار ہوا ہوں، سب سے پہلے میری نظر اسی پر پڑی!

عمادالدین غور سے صلاح الدین کی باتیں سنتا رہا۔ یکا یک اُس نے دیکھا، پلنگ کے نیچے بھی کوئی چیز پڑی ہے، وہ تیزی سے جھکا، اور پلنگ کے نیچے جا کر، اس نے اسے اٹھا لیا، یہ خنجر کا چوبی غلاف تھا، یہ غلاف صلاح الدین کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے کہا

عمادالدین:۔ میرے آقا، یہ غلاف آپ کے پلنگ کے نیچے تھا۔

صلاح الدین تھا بہادر، شجاع اور دلیر اور مَن چلا تھا۔ بڑے سے بڑے خطرہ کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، بڑے بڑے طوفانوں سے لڑ جانے کی اس میں صلاحیت تھی، اگرچہ

اس کے وہ جوہر ابھی نہیں چمکے تھے جو آگے چل کر صلاح الدین کو صلاح الدین بنانے والے تھے، لیکن وہ جوہر اس میں موجود تھے، اور ہر موقعہ اور مرحلہ پر ان کا مشاہدہ کر لیا جا سکتا تھا، ان ہی چیزوں نے اسے آگے چل کر صلاح الدین ــــ وقت کا سب سے بڑا فاتح، سپہ سالار اور کمان دار ــــ بنایا لیکن بایں ہمہ اس وقت وہ کافی سہما ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس پر اضطراب کی اتنی نمایاں کیفیت طاری تھی، کہ ہر شخص پہلی نظر میں پہچان سکتا تھا کہ اس وقت بہت سراسیمہ اور پریشان ہے صلاح الدین ان ہی باتوں میں اُلجھا ہوا تھا اور عماد الدین خنجر کے غلاف کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا، اندر اُسے کوئی چیز کھنکتی سی محسوس ہوئی، انگلی ڈال کر دیکھا، تو ایک مڑا ہوا کاغذ تھا۔ اسے نکال لیا، اور صلاح الدین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا،

عماد الدین:۔ میرے آقا کاغذ کا یہ پرزہ غلاف کے اندر سے برآمد ہوا ہے۔

صلاح الدین نے وہ کاغذ کھولا، پڑھا، اور اس کے چہرے پر دہشت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو گئی وہ بہت زیادہ مضطرب ہو گیا، وہ کاغذ اس نے پھر عماد الدین کے ہاتھ میں دے دیا اور ایک غلام سے جو سامنے کھڑا تھا کہا کہ ذرا امیر نجم الدین اس کے والد کو بلا لائے، عماد الدین نے بھی وہ کاغذ پڑھ لیا، پھر بار بار پڑھا، لیکن زبان سے کچھ نہ کہا، صلاح الدین نے اس سے کہا!

صلاح الدین:۔ مجھے سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ کمرے کے دروازے اندر سے بند تھے وہ اب تک بند ہیں، پھر کوئی شخص کیوں کر اس کمرہ میں داخل ہوا، میری نیند بھی غافل نہیں ہے، اگر کوئی اندر آیا تھا تو میں بیدار کیوں نہیں ہوا؛ ان سب باتوں پر طرّہ یہ کہ محافظوں کا پورا دستہ ہے جو میری خواب گاہ کی محافظت پر مامور ہے ان میں سے اگر کوئی سپاہی ہوگا۔ تو ایک آدھ آدمی، سب کے سب تو نہیں سو سکتے، ان میں سے کسی نے اس شخص

کو آتے جاتے کیوں نہ دیکھا، اور پھر سب سے بڑھ کر تم — بہرحال تم بھی جاگ رہے تھے ہوشیار تھے، چوکنے تھے، عقل حیران ہے کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟ کیوں کر ہو گیا؟ اور پھر مزید ستم یہ ہے کہ کمرہ کی حالت میں کوئی تغیر نہیں — آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ اسے کس چیز پر محمول کیا جائے؟

صلاح الدین کی ان باتوں میں حیرانی بھی تھی، خفگی اور برہمی بھی بے اعتمادی اور جھلاہٹ بھی، عمادالدین سمجھ رہا تھا واقعی سچا ہونے کے باوجود میں مجرم ہوں کہ اتنا بڑا سانحہ میری موجودگی میں کیوں کر وقوع پذیر ہو گیا؟ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ صلاح الدین نے اپنا محافظ خاص مجھے بنایا تھا۔ اس پر ندامت کی کیفیت طاری ہو رہی تھی، اور وہ اپنے آپ کو مجرم محسوس کر رہا تھا، اتنے میں صلاح الدین کا باپ نجم الدین کمرہ میں داخل ہوا۔ اس نے آتے ہی پوچھا

نجم الدین: کیا بات ہے بیٹا تم نے کیوں اتنے سویرے مجھے بلایا؟

صلاح الدین: ابّا جان ایک عجیب واقعہ رونما ہوا ہے، آپ کو اس سے لاعلم رکھنا مناسب نہ تھا، مصلحتاً یہاں سے فی الحال جنبش بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے یہ بے ادبی ہوئی

نجم الدین: کوئی مضائقہ نہیں لیکن وہ بات کیا ہے یہ بھی تو بتاؤ۔!

صلاح الدین نے کچھ کہنے کے بجائے، وہ رقعہ باپ کی طرف بڑھا دیا، نجم الدین اسے پڑھنے لگا، لکھا تھا۔

اسماعیلی سردار کے ایک فدائی کی طرف سے صلاح الدین کے نام!

تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ خواہ تو دروازوں کو باہر سے مقفل کر، یا اندر سے کواڑ بند کرے، تیرے محافظوں کی تعداد اعداد و شمار سے خارج ہو جائے، اور وہ سب رات بھر ننگی تلوار لئے پہرہ دیتے رہیں، کسی طرح بھی تو عتاب اور سزا سے نہیں بچ سکتا، اس لئے

جو مجرم ہے اور مجرمین کو ہمارا آقا اور مولا ضرور سزا دیتا ہے، خواہ وہ کہیں ہوں، کوئی ہوں،
نے ظلم وستم کی انتہا کر دی ہے تو نے شیخ الجبل، یعنی فرقہ اسماعیلیہ کے بزرگوں کی قوت و طاقت
فراموش کر دیا ہے میں اگر چاہتا تو آج ہی تجھے قتل کر دیتا۔ اور تیرے ناپاک وجود سے دنیا پاک
ہو جاتی لیکن میں نے پسند کیا کہ بغیر مہلت دیئے تجھے قتل کیا جائے، تجھے آخری موقعہ دیا جاتا ہے
اپنی اصلاح کر، اپنا طرز عمل بدل، ورنہ مرنے کے لئے تیار ہو جا۔ اور ہاں یہ معلوم کرنے کی
کوشش نہ کرنا کہ میں کون ہوں؟ اس لئے کہ یہ تیری قدرت سے باہر ہے ہو سکتا ہے، کہ میں
تیرا عزیز ہوں، بھائی ہوں، خادم ہوں، غلام ہوں، محافظ ہوں، سپاہی ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا
ہے، میں تیرے عمامہ کا ایک تار یا تیرے سر کا ایک بال ہوں، بہر حال میں کوئی بھی ہوں تو
میرا سراغ نہیں لگا سکتا ——————— !

والسّلام

نجم الدین بھی یہ خط پڑھ کر سکتہ میں آ گیا۔ بار بار اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا، اور بار بار پڑھتا رہا۔ وہ بھی خاموش تھا، صلاح الدین بھی چپ تھا، اور عماد الدین بھی دم بخود تھا۔ کچھ دیر تک یہی کیفیت رہی، پھر نجم الدین نے اشارہ سے عماد الدین کو حکم دیا کہ دروازے اندر سے بند کر لئے جائیں اور کوئی اندر نہ آنے پائے، عماد الدین نے فوراً تعمیل ارشاد کی، نجم الدین نے عماد الدین کی دہشت سراسیمگی کی کیفیت کا اندازہ بہت اچھی طرح کر لیا کہ اس فعل کا ذمہ دار اپنے آپ کو سمجھ رہا ہے، اس نے کہا:

نجم الدین: تم کیوں پریشان ہو؟ جن لوگوں نے یہ حرکت کی ہے میں اُن سے اچھی طرح واقف ہوں، اسماعیلی فرقہ بڑا خطرناک فرقہ ہے، اور یہ اس کی کارروائی ہے! ——
مگر تم، میرا خیال ہے میرا بیٹا یوسف صلاح الدین بھی ان لوگوں سے پورے طور پر

واقف نہیں ہے!

صلاح الدین:۔ جی زیادہ تو نہیں، لیکن کسی نہ کسی حد تک ضرور واقف ہوں ... کے حالات میں نے مختلف لوگوں سے سُنے ہیں ———— لیکن یہ کون لوگ ہیں؟ ان ... اس جرأت وجسارت کا کیا مطلب ہے؟ اور سب سے بڑھ کر، جنوں کے اوصاف ... کس طرح حاصل ہو گئے؟

نجم الدین:۔ کیا مطلب؟ —— کیسے؟

صلاح الدین:۔ ملاحظہ فرمائیے، میرے محافظ جاگتے رہے، پہرہ دیتے رہے ... کمرہ اندر سے بدستور بند رہا، لیکن ان کا آدمی میرے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس نے اپنا فریضہ انجام ... دیا، اور جس طرح آیا تھا، اسی طرح واپس چلا گیا، نہ آتے وقت کوئی ٹوک سکا، نہ جاتے وقت ... کوئی روک سکا ———— کیا یہ جنوں کا کام نہیں ہے؟ —— اور واقعی یہ بھی سچ ہے کہ جو ... شخص یہاں آیا تھا، وہ اگر چاہتا تو بڑی آسانی سے مجھے قتل کر سکتا تھا!

اب کسی طرح بھی عماد الدین اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے بہ آواز بلند کہا ...

عماد الدین:۔ یہ ذلیل اور کمینے لوگ ہیں، جب تک آپ کا یہ حقیر غلام ہے۔ ان کی پوری فوج بھی میرے آقا کا بال بیکا نہیں کر سکتی!

نجم الدین:۔ ہمیں تمھاری وفاداری، شجاعت اور دلیری کا یقین ہے لیکن بیٹے تم اُن لوگوں سے واقف نہیں ہو، ان کے ہتھکنڈے بڑے عجیب ہوتے ہیں!

عماد الدین:۔ کچھ بھی ہو، انھیں کئے کی سزا ملے گی اور ضرور ملے گی!

نجم الدین:۔ یہ بھی جانتے ہو، اس فرقہ کا سردار یعنی شیخ الجبل کون ہے؟ ——

عماد الدین:۔ میرے آقا، میں نہیں جانتا لیکن وہ کوئی بھی ہو میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا ...

نجم الدین:۔ (مسکرا کر) یہ ہمت ـــــ ؟

عمادالدین:۔ وقت آنے دیجئے، پھر انشاءاللہ آپ ضرور اپنے غلام کی ہمت کے [قائل] ہو جائیں گے!

نجم الدین:۔ لیکن بیٹا، ہمت کو بیکار ضائع نہیں کرنا چاہیئے!

عماد الدین:۔ بجا ارشاد ہوا لیکن میں ان لوگوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا جو میرے [م]ولا کی زندگی کے درپے ہوں، انھیں کیفرِ کردار تک پہنچانا میرا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

نجم الدین:۔ مطمئن رہو، اس کا موقعہ تمھیں دیا جائے گا، لیکن موقعہ سے، قرینہ سے [جلد با]زی سے کام بگڑ جائے گا، جو تمہارا اور ہم سب کا مقصد ہے وہ حاصل نہ ہو سکیگا۔

نجم الدین کی ان باتوں کا عمادالدین نے کوئی جواب نہیں دیا، لیکن صاف معلوم [ہوت]ا تھا وہ مطمئن نہیں ہوا، بوڑھے امیر کی باتوں اور دلیلوں سے!

سنان، باطنی فرقہ کا سردار!

عماد الدین کو غیر مطمئن اور صلاح الدین کو متجسس پاکر، نجم الدین نے اپنے بیٹے سے کہا ـــ،

نجم الدین: میں چاہتا ہوں، تم اس فرقہ سے پورے طور پر واقف ہو جاؤ۔

صلاح الدین: جی ارشاد ـــ!

نجم الدین: فرقہ اسماعیلہ کو، فرقہ باطنیہ یا فرقہ حشیشسہ بھی کہتے ہیں

صلاح الدین: اتنا تو میں جانتا ہوں۔ ـــ لیکن اس کی تاریخ سے بالکل اجنبی اور ناواقف ہوں ـــ!

نجم الدین: وہی بتاتا ہوں۔ دولت عبیدیہ نے جب صقلہ اور علاقہ بربر اور مصر پر اپنے جھنڈے گاڑ دیئے، اس وقت اس کا مذہب و مسلک اسماعیلہ تھا۔ الحاکم بامر اللہ نے اس مذہب کو حیات نو بخشی، اور ایک ایرانی نژاد شخص سنان نے تبلیغ شروع کر دی اسی حاکم کے زمانہ میں ایک اور عجمی شخص، حسن بن صباح نمایاں ہوا!

صلاح الدین: حسن بن صباح؟

نجم الدین: ہاں بیٹا حسن بن صباح ـــ یہ نظام الملک طوسی اور عمر خیام کا ساتھی رہ چکا تھا، بچپن کا دوست تھا!

صلاح الدین: واقعی ـــ بڑی حیرت انگیز بات ہے یہ ـــ!

نجم الدین: ہاں ـــ ان لوگوں کی تاریخ عجائبات سے بھرپور ہے ـــ

ایو!

نے قزوین کے قریب جبل الموت میں قیام اختیار کیا، اور یہاں فدائیوں کی ایک
ت تیار کی؛

صلاح الدین:۔ فدائی — یعنی؟

نجم الدین:۔ یہ وہ لوگ تھے، جو شیخ الجبل بن حسن بن صباح کے ایک اشارہ پر
ں قربان کر دینا اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے؛

صلاح الدین:۔ جی ہاں ان لوگوں کے کچھ واقعات نہ جانے کب کے سنے ہوئے
راتے جا رہے ہیں، اچھا پھر!

نجم الدین:۔ اس واقعہ کو نوسو سال سے زیادہ کی مدت گزر چکی ہے حسن بن صباح
نے فدائیوں کے ہاتھوں جس بڑی سے بڑی شخصیت کو چاہتا تھا، قتل کرا دیتا تھا۔!

صلاح الدین:۔ کس طرح —؟

نجم الدین:۔ اس لیئے کہ وہ انہیں اس طرح شیشہ میں اتار لیتا تھا، کہ جو کام چاہتا تھا
ے لیتا تھا — بہرحال ان کم بختوں کی ستم رانیوں کی داستان کہاں تک سناؤں —؟

صلاح الدین:۔ بہت سے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا ہوگا۔ انھوں نے؟

نجم الدین:۔ بہت سے لوگوں کو چھوڑو، ایسے ایسے لوگوں کو انھوں نے ہلاک کیا
ت اسلامیہ کا گراں مایۂ اثاثہ تھا۔ جو ہماری قوم کے لیئے مایۂ صد فخر و ناز تھے، جن پر ہم کو
تھا۔ انسانیت جن کے آگے سرِ عقیدت ختم کرتی تھی۔!

صلاح الدین:۔ حد ہو گئی سفاکی کی!

نجم الدین:۔ سلجوقی حکومت کے وزیرِ اعظم نظام الملک طوسی کا نام تو
نا ہو گا —؟

صلاح الدین:۔ جی بہت —— اس کی تعریف بھی بہت سُنی ہے!

نجم الدین:۔ اُسے قتل کرنے والے یہی لوگ تھے!

صلاح الدین:۔ نظام الملک جیسی عظیم المرتبت شخصیت کو بھی انھوں نے اپنے ناوک بیداد کا نشانہ بنایا—!

نجم الدین:۔ ایک نظام الملک ہی —— ان کے مقتولین کی فہرست میں تمھیں ائمہ کرام، علمائے عظام، صوفیائے ذوی الاحترام، بادشاہان کج کلاہ، سپہ سالاران تیغ زن، صاحبان شمشیر و قلم، ہر قسم کے لوگ نظر آئیں گے۔ اکابر اسلام کے خونِ معصوم سے ان کے ہاتھ رنگین ہیں انھوں نے ملّت اسلامیہ کو جیسا زبردست نقصان پہنچایا ہے، مسلمانوں کا بدترین دشمن بھی اب تک نہیں پہنچا سکا۔

صلاح الدین:۔ پھر بھی یہ زندہ ہیں؟

نجم الدین:۔ ہاں اس لئے کہ مرنے کا فن جانتے ہیں

صلاح الدین:۔ میں نہیں سمجھا ابّا جان!

نجم الدین:۔ بیٹا بات بالکل صاف ہے، جو موت کو مذاق سمجھتا ہے، زندگی اس کی کنیز بن جاتی ہے، یہ لوگ موت سے نہیں ڈرتے۔ لہذا زندگی ان کا تعاقب کرتی ہے

صلاح الدین:۔ واقعی بڑے دلیر ہیں۔

نجم الدین:۔ ان کی دلیری کا اندازہ اسی سے کر لو کہ اگر ان کا کوئی آدمی کسی طرح گرفتار ہو جاتا تھا، تو خواہ کتنی ہی اذیت دی جائے، وہ اپنے ساتھیوں کا شیخ الجبل کا، کسی کا نام و نشان نہیں بتاتا تھا، اور ہنستا کھیلتا جان دیتا تھا۔

صلاح الدین:۔ آخر کیوں ——؟

نجم الدین :۔ اس لئے کہ مرشد، یعنی شیخ الجبل کا حکم یہی تھا

صلاح الدین :۔ مرشد کی ایسی اطاعت وہ بھی اس زمانہ میں حیرت انگیز ہے

نجم الدین نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ عمادالدین نے بات کاٹ لی اور کہا،

عمادالدین :۔ اگر آقا یا مرشد کا .. صحیح احترام دل میں ہو تو صرف اسی طرح کے [دل] پیدا ہو سکتے ہیں !

نجم الدین :۔ (عمادالدین کا مقصد سمجھ کر) خدا تمہاری عمر میں برکت دے تمہارے [ار]ادوں میں برکت دے !۔۔۔۔ لیکن تم جیسے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں، جو ہیں، وہ غرض [کے] بندے، لالچ کے پرستار ہیں !۔۔۔ لیکن فدائیوں کا معاملہ بالکل برعکس ہے ؟

صلاح الدین :۔ یہ کیوں کر ابّا جان !

نجم الدین :۔ ان کی فداکاری، نہ آقا پرستی ہے نہ مرشد پرستی !

صلاح الدین :۔ پھر کیا ہے ؟

نجم الدین :۔ یہ ایک عجیب راز ہے !

صلاح الدین :۔ تو ارشاد فرمایئے !

نجم الدین :۔ اصل سوال یہ ہے کہ فدائیوں میں اطاعت کی یہ روح کیوں کر [پ]یدا ہوئی۔۔۔ ؟

صلاح الدین :۔ بجا ارشاد ہوا، یہی میں بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں

نجم الدین :۔ اس بارے میں لوگ مختلف الآراء ہیں، بعض واقف کار کہتے ہیں [ح]سن بن صباح نے فدائیوں کو مسحور کر رکھا تھا، بعض کا خیال ہے کہ وہ فدائیوں کو کسی طریقہ [سے] بنک پلا کر ان کی فہم و ادراک پر قبضہ کر لیتا تھا، اور جو کام چاہتا تھا۔ ان سے لے

لیتا تھا۔:

صلاح الدین:۔ اوہ اب سمجھ میں آیا۔ اس فرقہ کا دوسرا نام حشیشیہ[1] کیوں ہے؛

نجم الدین:۔ ہاں خوب سمجھے، یہی بات ہے

صلاح الدین:۔ بہرحال اس گروہ کے حد درجہ خطرناک ہونے میں کوئی شبہ نہیں، خدا اس سے محفوظ رکھے!

نجم الدین:۔ مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے بیٹا!

صلاح الدین:۔ لیکن ابا جان —— یہ لوگ اب کہاں ہیں؛

میرا مطلب ہے اب ان کا مرکز کون سا مقام ہے، جبل الموت تو ہاتھ سے گیا؟

نجم الدین:۔ پہلے یہ لوگ قزوین میں تھے لیکن اب جبل سماق ان کا مسکن اور مرکز ہے، جو حلب کے علاقہ میں واقع ہے!

صلاح الدین:۔ اچھا اچھا، میں سمجھ گیا؛

نجم الدین:۔ یہاں ان کے مضبوط قلعے ہیں، مستحکم عمارتیں ہیں، ناقابل تسخیر حصار ہیں۔ اور فداکاروں، اور جان بازوں کی بہت بڑی جماعت ہے۔

صلاح الدین:۔ اور تبلیغ؟

نجم الدین:۔ ہاں تبلیغ کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا ہے، دیار و امصار میں ان کے مبلغ پھیلے ہوئے ہیں۔ بڑی خاموشی سے اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ اور طرح طرح لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ انہیں ڈورے ڈال کر اپنے فرقہ میں شامل کر لیتے ہیں اس

---

(1) حشیش عربی زبان میں بھنگ کو کہتے ہیں۔

جو خطرناک ترین کام لینا چاہتے ہیں ، ان سے لیتے ہیں ، اور وہ خوشی خوشی اسے سرانجام دیتے ہیں

صلاح الدین :۔ لیکن یہ فرقہ ایران سے شام میں کیسے پہنچ گیا ؟

نجم الدین :۔ حسن بن صباح کے بعد اس کے جانشین بڑی خوبی اور کامیابی سے اپنا کام کرتے رہے ' آج سے پچاس سال پہلے قلعتہ الموت میں ان کا جو سردار تھا اس کا نام بھی حسن ہی تھا ۔ اور فرقہ کے لوگ اس کے نام کے ساتھ "علی ذکرہ السلام" کے الفاظ بھی بڑھا دیتے تھے ، اس کے زمانہ میں مبلغین اسماعیل کی ایک بڑی جماعت شام میں پہنچی اور تبلیغ کے فرائض انجام دینے میں مصروف ہو گئی ،

صلاح الدین :۔ لیکن شام پر تو فرنگیوں کا قبضہ تھا ؟

نجم الدین :۔ ہاں —— اور انھوں نے بڑی ابن الوقتی سے کام لے کر پورے طور پر ' صلیب پرست عیسائی فرنگیوں سے سازباز کر لی ، اور دونوں میں سمجھوتہ ہو گیا ،

صلاح الدین :۔ مسلمانوں کے خلاف ؟

نجم الدین :۔ ہاں یہی سمجھو ، یہ لوگ فرنگیوں کی مدد مسلمانوں کے خلاف خفیہ ، اور علانیہ کرتے تھے ۔ اور اس کے بدلے میں فرنگی ان کی یہ مدد کرتے تھے ۔ کہ انھیں تبلیغ کی اجازت دے دی جاتی تھی :

صلاح الدین :۔ یہ جبل سماق کس طرح پہنچے ؟

نجم الدین :۔ حلب کا فرنگی فاتح ، جب ان کی تبلیغی سرگرمیوں سے عاجز آیا ۔ اور ان کی مسلم آزار سرگرمیوں سے مستفید بھی ہوا ، تو اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ انہیں جبل سماق یعنی جبل النصیریہ میں قیام کی اجازت دیدے چنانچہ اس نے یہی کیا ،

صلاح الدین :۔ یہاں آکر اور زیادہ یہ لوگ کھل کھیلے ہوں گے ؟

نجم الدین:۔ اور کیا ـــــ مقام دیناس میں جب یہ لوگ مسکن گزین ہوئے، تو وہاں کا سردار، ایک شخص تھا بہرام، مصر و شام کی بڑی بڑی شخصیتوں کو فدائیوں نے اسی کے عہد میں خنجر سے ہلاک کیا۔!

صلاح الدین:۔ اور مصر کا ملک الافضل امیر الجیوش ـــــــ

نجم الدین:۔ اس کے قاتل بھی یہی لوگ تھے؛

صلاح الدین:۔ لیکن اس کا جرم کیا تھا؟

نجم الدین:۔ یہ کہ وہ آلامر باحکام اللہ کے احکام میں جور و جبر سے کام لیا کرتا تھا

صلاح الدین:۔ لیکن میں نے تو سُنا ہے آخر کار الآمر کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُترا

نجم الدین:۔ ٹھیک سنا ہے، آمر نے بعد میں اس پر غلبہ حاصل کر کے اسے قتل کرا دیا تھا

صلاح الدین:۔ لیکن یہ نہ معلوم ہُوا، اس قتل کا سبب کیا تھا؟

نجم الدین:۔ اگرچہ بہرام نے آمر ہی کی وجہ سے الافضل کو قتل کر دیا تھا، لیکن پھر آمر اس سے بگڑ گیا۔ کہ نہ صرف اس نے اسے قتل کرا دیا، بلکہ اس کے کٹے ہوئے سر کی مصر کے کوچہ و بازار میں تشہیر کرائی:۔

صلاح الدین:۔ وہی تو دریافت کرنا چاہتا ہوں ـــــ کیوں؟

نجم الدین:۔ رموز مملکت!

صلاح الدین:۔ یہ تو اچھا ہی ہوا کہ وہ قتل ہو گیا، لیکن عیسائیوں کو اس فرقہ سے خوب، فائدہ پہنچا،

نجم الدین:۔ فائدہ بھی پہنچا، اور نقصان بھی ـــــ طرابلس و شام کا عیسائی بادشاہ ان ہی کے ہاتھوں قتل ہُوا تھا۔

صلاح الدین:۔ ان کی فوجی اور مالی حیثیت اب بھی مضبوط ہے۔

نجم الدین:۔ ہاں خاص طور سے ـــــ جبل سماق میں ان کے متعدد قلعے ہیں ان میں قلعہ مرقب، علیقہ اور صافہ وغیرہ تو غیر معمولی شہرت کے حامل ہیں، یہ لوگ ان ہی قلعوں میں اڈّے لڑیں ہیں، کیا مجال ہے جو کوئی غیر اسمٰعیلی وہاں قدم بھی رکھ سکے ـــــ اور کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا وہاں!

صلاح الدین:۔ آج کل ان کا سردار کون ہے؟

نجم الدین:۔ بڑا شیطان پرست، شریر اور خبیث آدمی، بے انتہا چالاک اور ہوشیار ـــــ اس کا نام ہے راشد الدین سنان بن سلیمان۔!

صلاح الدین:۔ یہ عرب ہے؟

نجم الدین:۔ یہ بصرہ کا رہنے والا ہے یہ ایک عرصۂ دراز تک قلعہ الموت میں بھی رہ چکا ہے! علوم فقہ، اور فلسفہ کا ماہر خصوصی ہے بڑا ذکی بے انتہا دانش مند، حد سے زیادہ سیاست داں اور کار آزمودہ!

صلاح الدین:۔ واقعی بہت خطرناک معلوم ہوتا ہے!

نجم الدین:۔ اس نے اپنے کام کا آغاز شام سے کیا، اب حلب میں مطمئن زندگی گزار رہا ہے یہ لنگڑا ہے، لیکن اپنے تقوے، اور مذہب کی ایسی دھاک بٹھائی۔ کہ لوگ اس کا کلمہ پڑھنے لگے!

صلاح الدین:۔ یعنی غیر اسماعیلی لوگ بھی اس سے متاثر ہوئے؟

نجم الدین:۔ ہاں بہت زیادہ، تقدس چیز ہی ایسی ہے جو لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے!

صلاح الدین :۔ لیکن یہ تو جھوٹا تقدس ہے !

نجم الدین:۔ جھوٹے تقدس کے جال میں لوگ آسانی سے پھنستے ہیں، اور بہت زیادہ پھنستے ہیں ۔۔۔۔۔ !

صلاح الدین :۔ اس کے عہد میں جماعت کافی بڑھ گئی ہوگی ؟

نجم الدین:۔ بہت زیادہ اضافہ کیا اس نے اپنی جماعت میں، بات یہ ہے کہ ظالم خطیب بھی بے بدل ہے جب وعظ کہتا ہے، تو سماں باندھ دیتا ہے ! ۔۔۔۔ گھنٹوں وعظ کہتا ہے، اور مجمع یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پتھر کے بت رکھے ہوں، کیا مجال ہے جو کوئی جنبش بھی کر سکے، اس لئے اس کے پیروں کی تعداد بہت بڑھ گئی، اور تبلیغ کامیاب ثابت ہوئی اس کے متبع دنیا کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں، اس کی "تلقین" امداد باہمی ہے یہ تحریک ایسی پھیلی اور ایسے موثر انداز میں اس نے تلقین کی کہ فرقے کے لوگ اپنے اپنے مال کے مالک نہ رہے بلکہ وہ متاع مشترک بن گیا ۔۔۔۔ ہر مال ہر شخص کا، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہ اشتراک بڑھتے بڑھتے عورتوں اور لڑکیوں تک حاوی ہوگیا !

صلاح الدین:۔ لاحول ولا قوۃ ۔

نجم الدین:۔ لیکن اسے راشد الدین نے بھی پسند نہیں کیا، اور ممنوع قرار دے دیا

صلاح الدین بڑی توجہ سے باپ کی باتیں سن رہا تھا۔ اور وہ بڑے اطمینان سے داستان سرائی میں مشغول تھا ۔۔۔۔ سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے نجم الدین نے کہا

نجم الدین:۔ راشد الدین اپنی اثر انگیز اور معجز نما تقریروں سے عوام کے دلوں کو فتح کر رہا تھا، اس کا اثر و نفوذ روز بروز بڑھ رہا تھا۔ اس کی شہرت اور مقبولیت میں لحظہ بلحظہ اضافہ ہو رہا تھا، یہ سرگزشت، جبل سماق میں اسماعیلی سردار ابو محمد کو پہنچی، اس نے فوراً

راشدالدین سنان کو اپنے پاس طلب کیا، اور چند روز بعد اپنا جانشین بنا دیا، چنانچہ اب چند سال سے وہی اسماعیلی فرقہ کا سردار اور رہنما بنا ہوا ہے، جب میں شام سے مصر کے لئے چلا ہوں، اس وقت مجھے اطلاع ملی تھی کہ راشدالدین کی صولت وحکومت ہرگز ایک بادشاہ سے کم نہیں ہے، اس کے ماتحت ہزارہا فدائی ہیں جو اس کے اشارہ پر اپنی جان قربان کرنے پر تیار رہتے ہیں۔ وہ جس امیر، بادشاہ یا عالم کے خلاف ہو جاتا ہے، فدائیوں کو اشارہ کر دیتا ہے اور وہ جان پر کھیل کر، اس کے جسم وجان کا رشتہ منقطع کر دیتے ہیں!——

صلاح الدین: لیکن قتل کا موقعہ محافظوں کی موجودگی میں کس طرح ملتا ہے۔؟

نجم الدین: بڑی آسانی سے، فدائی جب کسی کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اُس کا ملازم بن جاتا ہے، اعتماد حاصل کر لیتا ہے، اور موقعہ پا کر اُسے ختم کر دیتا ہے—— خدا کا شکر ہے، تم بچ گئے، ورنہ واقعی قتل ہو جانے میں کسر کیا رہ گئی تھی——؟

وفادار غلام

صلاح الدین بڑے غور اور توجہ سے نجم الدین کی تقریر سنتا رہا، جب وہ ختم ہوگئی تو اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا،

" واقعی ابا جان ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے ایک بہت بڑے خطرہ سے بچالیا ـــــ لیکن مطمئن نہ ہونا چاہیئے!

نجم الدین:۔ یہی میں بھی کہنے والا تھا۔ تمھیں اپنی حفاظت کے انتظامات اور زیادہ مستحکم کر لینے چاہئیں، بغیر اس کے کام نہیں چل سکتا۔

صلاح الدین:۔ بجا ارشاد ہوا، ضرور ایسا کروں گا!

عماد الدین:۔ اگر غلام کی جسارت معاف کی جائے تو وہ بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے!

نجم الدین:۔ ہاں کہو، اجازت ہے، شوق سے کہو!

عماد الدین:۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حفاظت کے مزید انتظامات چاہے کتنے ہی کرلئے جائیں، لیکن ہمیں اس فتنہ کی جڑ کاٹ ڈالنی چاہیئے!

صلاح الدین:۔ یعنی ـــــ؟ کیا مطلب ہے تمھارا؟

عماد الدین:۔ راشد الدین سنان کا قتل!

صلاح الدین:۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

عماد الدین:۔ جس طرح اسماعیلیوں کا فدائی جان پر کھیل کر سب کچھ کرسکتا ہے، اُسی

طرح آپ کا فدائی بھی جان پر کھیل کر سب کچھ کر سکتا ہے! —— اس طرح فتنہ کی جڑ کٹ جائے گی اور اسماعیلی منتشر ہو جائیں گے!

نجم الدین:۔ میں تمہارے اس سعید جذبہ کی قدر کرتا ہوں لیکن بیٹے یہ ناممکن ہے!

عماد الدین:۔ میرے آقا، عزم و ہمت کے آگے کوئی چیز بھی ناممکن نہیں ہے۔

نجم الدین:۔ یہ مانتا ہوں، لیکن سوچو تو وہ کیسے دشوار گزار مقام پر رہتا ہے، جہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا۔!

عماد الدین:۔ لیکن میں پہنچ جاؤں گا، پہنچ کر دکھاؤں گا!

نجم الدین:۔ یہ بھی مان لیتا ہوں، لیکن یہاں کے غیر متعین حالات تو درست ہو جائیں خطرہ یہاں، ہمارے محل میں موجود ہے اور تم اسے چھوڑ کر باہر جانا چاہتے ہو!

عماد الدین:۔ خطرہ محل میں ہے!

نجم الدین:۔ ہاں ——

عماد الدین:۔ غلام نہیں سمجھا!

نجم الدین:۔ ضرور کچھ فدائی، ملازم کی صورت میں، یا کسی اور حیثیت سے ہمارے قصر میں موجود ہیں، جب تک ان کا قلع قمع نہ ہو جائے اس وقت تک یہاں سے باہر نکلنا خطرہ کو اور زیادہ سنگین بنانا ہے ——

عماد الدین:۔ آپ نے درست فرمایا، لیکن غلام کی رائے بھی قابل غور رہے —!

نجم الدین:۔ بالکل نہیں —— ہم ان لوگوں کو دوسری طرح بھی رام کر سکتے ہیں!

صلاح الدین :۔ وہ کس طرح؟

نجم الدین :۔ لالچ دے کر، مال و زر کی طمع میں پھنسا کر، انھیں اگر کافی روپیہ مل جائے تو، یہ قاتل کے بجائے، محافظ اور نگہبان بھی بن سکتے ہیں، یہ مال و زر کے بھوکے ہیں، اس سے بڑھ کر کوئی حربہ نہیں، جس سے ان کا مقابلہ کیا جائے۔

عمادالدین :۔ آپ اس حربہ کو آزما لیجئے، اور مجھے میرا حربہ آزما لینے دیجئے

نجم الدین :۔ تم مجنونوں کی سی باتیں کر رہے ہو!

عمادالدین :۔ لیکن میرے آقا آپ کا اس میں نقصان کیا ہے؟ —— اگر میں کامیاب ہوا، تو ملتِ اسلامیہ کو ایک بہت بڑے خطرہ سے، اور میرے آقا کو بہت بڑے دشمن سے نجات مل جائیگی اور اگر کامیاب نہ ہوا تو بھی آپ کا کیا بگڑے گا، صرف ہزار ہا غلاموں سے ایک معمولی غلام کم ہو جائے گا۔ لیکن میری اُمنگ اور حوصلہ کے راستہ میں آڑے نہ آیئے!

عمادالدین کی ان باتوں سے —— صلاح الدین اور نجم الدین دونوں بہت متاثر ہوئے

نجم الدین :۔ تمھارے اس جوش سے ہم خوش ہوئے تمھاری وفاداری کے جذبے نے ہمیں بہت زیادہ متاثر کیا، لیکن ناممکن کام کا بیڑا اٹھا رہے ہو۔!

عمادالدین :۔ لیکن میں بہ اصرار عرض کرتا ہوں، مجھے اس مہم پر جانے کی اجازت مرحمت فرمایئے، ورنہ میں خودکشی کر لوں گا!

نجم الدین :۔ خبردار ایسا ارادہ نہ کرنا، خودکشی بزدلوں کا کام ہے، تم جیسا بہادر آدمی خودکشی نہیں کر سکتا،!

عمادالدین :۔ لیکن جب بہادر کی بہادری ایک سر مکتوم بن جائے، اُسے قید کر دیا جائے۔ تو اس کے سوا کوئی چارۂ کار بھی تو نہیں رہ سکتا،

نجم الدین:۔ میرے بیٹے، مانتا ہوں، تم اس دشوار گذار مہم پر روانہ ہو جاؤ گے
بہت ممکن ہے اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو جاؤ ——— لیکن ——

عماد الدین:۔ لیکن کیا میرے آقا؟

نجم الدین:۔ لیکن وہاں جانے سے تمہارا یہاں رہنا ضروری ہے، خود تمہارے
صلاح الدین کی حفاظت کا تقاضا کم از کم فی الحال یہی ہے، لہذا ابھی یہ خیال دل
سے نکال دو، کسی اور موقعہ سے جب یہاں کے حالات قابو میں آچکے ہوں گے، تب چلے
جانا پھر میں خود اجازت دوں گا تمہیں، بلکہ اصرار کر کے بھیجوں گا!

عماد الدین:۔ نہیں میرا یہاں رہنا بیکار ہے، میں محافظ خاص مقرر ہوا، اور پہلی ہی
رات کو یہ حادثہ پیش آیا، اس کے معنی یہ ہیں کہ یہاں رہ کر میں کچھ نہیں کر سکتا، میں اپنے
صلاح الدین کے سر کی قسم کھا چکا ہوں، اور عہد کر چکا ہوں کہ اس مہم پر کل صبح تک
ضرور روانہ ہو جاؤں گا!

صلاح الدین:۔ اس قدر جلد بازی سے کام نہ لو، ہمیں واقعی یہاں تمہاری ضرورت ہے

عماد الدین:۔ نہیں میرے آقا، مجھے نہ روکئے، میں نہیں رک سکتا۔ میں نے عہد
کیا ہے، اسے نہیں توڑ سکتا، میں نے اپنے آقا کے سر کی قسم کھائی ہے اور اس قسم
کا پاس مجھے کرنا ہے میں ضرور جاؤں گا! ——— یہاں رہ کر میں ذرا بھی کام نہیں کر سکتا
اور جب تک اس لعین شیخ الجبل کو قتل نہ کر لوں، مجھے قرار نہ آئے گا۔!

نجم الدین:۔ تمہارے اس پرجوش عزم کے آگے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سوا سر
تسلیم خم کرنے کے!

عماد الدین:۔ بس تو مجھے اجازت مرحمت ہو، صبح سورج طلوع ہونے سے

پہلے میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، اور اپنے ارادہ کی ہرگز کسی کو اطلاع نہ دونگا میں یکایک بے سان وگمان وہاں پہنچنا چاہتا ہوں!

صلاح الدین:۔ جاؤ خدا تمھارا حافظ و ناصر ہو، ابا جان جب یہ اس طرح بضد ہیں تو اب اسے روکنا، ظلم کرنا ہوگا۔ اس پر!

نجم الدین:۔ میری رائے بھی یہی ہے ——۔ اچھا بیٹا عماد الدین تم سامان سفر تیار کرو، اور صبح منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جاؤ!

پھر نجم الدین نے صلاح الدین سے کہا!

نجم الدین:۔ بیٹے میں دیکھ رہا ہوں، تم اسوقت کسی گہرے فکر میں مستغرق ہو کوئی خاص بات تو نہیں ——؟

صلاح الدین:۔ جی کوئی خاص بات تو نہیں —— ۔یہی سوچ رہا تھا، آخر یہ حادثہ ہوا کیسے؟

نجم الدین:۔ نہیں کوئی اور بات بھی ہے، عماد الدین تمھارا فداکار موجود ہے اس کے سامنے کہو، جو بات سوچ رہے ہو، تاکہ وہ بھی غور کر سکے، اور ضرورت سمجھے تو کچھ کہہ سکے!

صلاح الدین:۔ ابا جان مجھے اس کا اقرار کر لینا چاہیئے کہ کل مجھ سے ایک خطا سرزد ہوئی ہے!

نجم الدین:۔ خطا ——؟ تم سے؟ ——

صلاح الدین:۔ جی —— اور شاید وہ بڑی سنگین خطا ہے!

نجم الدین:۔ وہ جو کچھ بھی ہو، اسے چھپانے کی کوشش نہ کرو، صاف صاف بتا دو

صلاح الدین:۔ کل میرا عزیز اور معتمد دوست عیسٰے الھکاری میرے پاس آیا، آپ
ے ہیں وہ مجھ سے غیر معمولی محبت رکھتا ہے!

نجم الدین:۔ ہاں جانتا ہوں ـــ پھر آگے ـــ اس نے کیا کہا؟

صلاح الدین:۔ اس نے ایک مشورہ دیا، اور میں نے وہ مشورہ قبول کر لیا، البتہ اتنی
ولی کہ اُسے یوں ہی مبہم چھوڑ دیا کہ آپ کی صلاح و مشورہ کے بعد جو رائے طے پائے
اس پہ عمل کروں گا۔!

نجم الدین:۔ اُس نے کون سی تجویز پیش کی تھی تمھارے سامنے؟

صلاح الدین:۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں خلیفہ عاضد کو پیام دوں کہ وہ اپنی
سیدۃ الملک کی شادی میرے ساتھ کر دے

نجم الدین:۔ (پریشان ہو کر) کیا تم نے اس کی یہ تجویز مان لی؟

صلاح الدین:۔ بڑی دیر تک تو میں پس و پیش میں رہا، پھر میں نے اتنی اجازت
دے دی کہ وہ میری طرف سے نہیں بلکہ بطور خود اس معاملہ میں عاضد سے گفتگو کرے۔

نجم الدین:۔ تم احمق ہو، ایسے کام کر ڈالتے ہو جو سلاطین کے لئے نازیبا ہیں، ہم کو
اس کے اہل بیت، اور خاندان سے کیا غرض ہو سکتی ہے؟ ہم کیوں خطرات اور مہالک
ہلاک غار میں اپنے آپ کو گرائیں؟
کیا تم اس لڑکی سے واقف ہو؟

صلاح الدین:۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ نہایت حسین و جمیل ہے!

عماد الدین بڑے غور اور انہماک کے ساتھ نجم الدین، اور صلاح الدین کی باتیں سُن
رہا تھا، اُسے اُس دن کا واقعہ یاد آگیا، جب اُس نے سیدۃ الملک کو بدمعاشوں کے

ہاتھ سے بچایا تھا وہ اسی دن سے محسوس کرنے لگا تھا کہ وہ اس سے محبت کرنے لگ
ہے اگر وہ اس سے محبت نہ کرنے لگا ہوتا، تو شاید صلاح الدین اور سیدۃ الملک کی شاد
پر اس سے زیادہ مسرور کوئی نہ ہوتا؛ لیکن اس وقت رشک اور غیرت کے جذبات
نے اُسے عجیب ذہنی کش مکش میں ڈال دیا تھا۔ نجم الدین نے اسے خاموش اور ف
منہ دیکھ کر کہا:

نجم الدین:۔ تمہیں غیر معمولی طور پر فکر مند اور پریشان دیکھ رہا ہوں کیا بات

عماد الدین:۔ کیا تم سیدۃ الملک سے واقف ہو؟

عماد الدین نے اس کی جان بچانے کی کہانی بیان کر کے کہا!

بس اس حد تک میں اُس سے واقف ہوں اور میرے خیال میں تو اس
بہتر رشتہ کوئی اور نہیں ہو سکتا:

نجم الدین:۔ اس معاملہ پر تم اظہار رائے نہ کرو — میرا خیال تو یہ ہے
میرے بیٹے ابو یوسف صلاح الدین نے عیسٰے الھکاری کی مروت میں اس کے مش
کو قبول کر لیا،!

پھر اُس نے صلاح الدین پر ایک نظر ڈالی، اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا

نجم الدین:۔ کیا عیسٰی کوئی جواب لے کر تمہارے پاس آیا؟

صلاح الدین:۔ وہ کہتا تھا، خلیفہ نے اس کی گفتگو سننے کے بعد جواب کے
مہلت طلب کی ہے، میں نہیں کہہ سکتا، وہ کیا جواب دے گا؟

نجم الدین:۔ اب اس خاندان کے پاس ہے کیا؟ مال و دولت؟ حکومت او
سطوت؟ خزانہ شاہی؟ فوجی قوت؟ اقتدار و اختیار؟ دولت و ثروت؟ رسوخ

رلفوڈ:۔۔۔۔۔ نہیں یہ سب چیزیں اس کے ہاتھ سے چھن چکی ہیں، صرف ایک چیز رہ گئی ہے، خاندانی وجاہت، خاندانی عظمت، وہ بھی تم چھین لینا چاہتے ہو؟۔۔۔۔۔

الیوس:۔۔۔۔۔ اور پھر یہ بھی تو سوچو، یہ خاندان، خاندان اہل بیت کی ایک شاخ ہے، کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی بدتمیزی اور ناشائستگی ہو سکتی ہے کہ اسے یوں خود اس کی نظر میں حقیر کیا جائے؟۔۔۔۔۔ ہم یقیناً اس خاندان کے ہم کفو نہیں ہیں، ہمیں اپنی حد سے آگے بڑھنے کی ہرگز سعی نہیں کرنی چاہیئے!۔

صلاح الدین نے باپ کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا، لیکن وہ اس مسئلہ پر اسی موضوع پر غور کر رہا تھا، اس کے کانوں میں عیسٹے الھکاری کے وہ الفاظ گونج رہے تھے

"آپ کا نسب قریشی خاندان سے ملایا جا سکتا ہے!"

صلاح الدین قریشی النسب بن جانے پر غور کر رہا تھا!

نجم الدین نے اُسے خاموش دیکھ کر پوچھا

نجم الدین:۔ کیا سوچ رہے ہو یوسف؟

صلاح الدین:۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کیا نسب پر فخر کرنا کوئی اچھی بات ہے؟

نجم الدین:۔ کیوں نہیں ہے؟۔۔۔۔۔ جس کا نسب اچھا ہو، کیا وجہ ہے کہ وہ اس پر فخر نہ کرے؟۔۔۔۔۔ تم کردی النسل ہو، اور عاضد خالص قریشی، وہ تم سے زیادہ نسب کو اہمیت دیتا ہے، اس لئے کہ تمھارا نسب ہیچ ہے اور وہ نسب کی اس بلندی پر فائز ہے، جہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، وہ یقیناً تمھاری درخواست مسترد کر دے گا، اور اگر ایسا کرے گا تو کچھ بُرا نہ کرے گا۔

صلاح الدین:۔ (اٹھتے ہوئے) بہتر ہو کہ اب اس موضوع پر اُس وقت غور کیا

جائے، جب خلیفہ کا صاف اور واضح جواب ہمیں مل جائے، قبل از وقت اس پر غور کرنا وقت کا ضائع کرنا ہے۔!

یہ کہہ کر صلاح الدین بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا، عماد الدین کی نظر اس خنجر پر پڑی، اس نے اپنے آقا سے کہا:

عماد الدین:۔ کیا یہ خنجر آپ غلام کو مرحمت فرمائیں گے؟

صلاح الدین:۔ کیا تمھارے پاس کوئی خنجر نہیں ہے؟

عماد الدین:۔ کئی ہیں میرے آقا!

صلاح الدین:۔ پھر یہ خنجر کیوں لینا چاہتے ہو؟

عماد الدین:۔ میں چاہتا ہوں کہ جس خنجر سے اس بار باطف شیخ الجبل نے آپ کو دھمکایا تھا وہی خنجر میں اس کے سینہ میں پیوست کر دوں!

صلاح الدین:۔ (تبدیل لباس کرتے ہوئے) کیا واقعی تم نے اس کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا ہے؟

عماد الدین:۔ میرے آقا، میں آپ کے سر مبارک کی قسم کھا کر، یہ عہد کر چکا ہوں کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی عزم ہو سکتا ہے؟ کیا اس کا استحکام اب بھی مشکوک ہے آپ کے نزدیک؟ ـــــ میں بصد ادب التجا کرتا ہوں کہ اب مجھے روکنے کی کوشش نہ فرمایئے، جس مہم کا بیڑہ میں اٹھا چکا ہوں، اس پر مجھے جانے دیجئے، بغیر اس کے مجھے سکون نہیں حاصل ہو سکتا۔!

نجم الدین:۔ نہیں ہم تمھیں نہیں روکتے، تمھیں اس مہم پر جانے کی اجازت مل چکی، تمھاری فدا کاری، وفاداری، اور جاں نثاری کی ہمارے دل میں قدر ہے

نے بہت بڑے کام کا بیڑہ اٹھایا ہے، نہ صرف یوسف صلاح الدین کی زندگی بچانے
وم کیا ہے بلکہ ملتِ اسلامیہ کو بھی ایک شیطانی گروہ سے بچانے کا ارادہ کیا ہے یہ بڑا
ت ارادہ ہے، خدا تمہیں کامیاب کرے، ہم تمہاری کامیابی کے لئے بارگاہِ خداوندی
دست بدعا ہیں، اور یقین دلاتے ہیں کہ جب تم کامیاب و کامران واپس آؤ گے تو اس
میں یوسف صلاح الدین کے سوا، تم سے بڑا کوئی آدمی، کوئی افسر کوئی امیر نہیں ہو گا،

صلاح الدین:۔ بے شک ——— تم سب سے آگے بڑھ جاؤ گے ؛

عماد الدین ان حوصلہ افزا کلمات سے بہت مسرور ہوا، اس نے طے کر لیا کہ جان ایک
نہیں دس مرتبہ کام آجائے، لیکن وہ راشد الدین سنان کو قتل کر کے رہے
ہر قیمت پر' !

نجم الدین نے اس سے پوچھا ؛

" راستہ کی دشوار گزاریوں سے بھی واقف ہو تم ؟"

عماد الدین:۔ میری لاعلمی میرے عزم و ارادہ میں مزاحم نہیں ہو سکتی، میں ان دشواریوں
پر حال غالب آکر رہوں گا،،!

نجم الدین:۔ لیکن اس قدر جلد کیوں جا رہے ہو، چند روز ٹھہر کر جاؤ،

عماد الدین:۔ میرے آقا اس میں کیا مصلحت ہے ؟

نجم الدین:۔ انتظامات مکمل کر لو ! ——— کافی تیاریوں کے بعد، تمہیں یہاں
روانہ ہونا چاہیئے۔!

عماد الدین:۔ میرے آقا، میں قسم کھا چکا ہوں کہ صبح ہوتے ہی قاہرہ چھوڑ دوں گا
تا ہم پھر روانہ ہو جاؤں گا، مجھے عہد شکنی پر مجبور نہ کیجیے

بس اتنی درخواست ہے کہ کسی کو یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ میں کہاں گیا ہوں؟
کس جانب گیا ہوں؟ اور کیوں گیا ہوں؟

صلاح الدین:۔ "لباس تبدیل کر چکنے کے بعد، خدا تمھارے ارادے میں برکت
دے، جاؤ جو فیصلہ تم نے کر لیا۔ اس پہ عمل کرو"!

عماد الدین نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا،

عماد الدین:۔ "اس بندہ پروری کا زندگی بھر شکر گزار رہوں گا، کہ آقا نے غلام کی
ایک طفلانہ ضد پوری کی ——— تاریخ میں ایسی مثالیں شاید ہی مل سکیں۔!

نجم الدین:۔ "سینہ سے لگا کر، واقعی تم ضد کے پورے ہوئے اور ہمیں یقین ہے
دھن کے پورے بھی ثابت ہوگے، خدا تمھیں بامراد اور کامیاب واپس لائے"،

عماد الدین نے صلاح الدین اور نجم الدین کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، اور سفر کی تیاری
کرنے کے لئے رخصت ہو گیا، اس کے اس جوش وفاداری سے، باپ بیٹے دونوں
بہت متاثر نظر آرہے تھے۔!

طلبی!

صلاح الدین اور نجم الدین سے رخصت ہو کر، عماد الدین اپنی اقامت سرا میں واپس آیا، اور انتظامات سفر میں مصروف ہو گیا، سارا دن، اسی کام میں گزر گیا: ایک لمحہ بھی جو آرام کا میسر آیا ہو، شام کو وہ تھکا ہارا اپنے کمرہ میں بیٹھا تھا، اور اس فکر میں تھا کہ جلدی سے کھا پی کر سو جائے، تاکہ علی الصباح آنکھ کھلے اور چپ چپاتے اپنے سفر پر روانہ ہو جائے، اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک حبشی لڑکا اس کی طرف چلا آرہا ہے یہ بالکل غیر معمولی بات تھی، اُسے حیرت ہوئی، اور وہ اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر بغیر پوچھے ہوئے دیکھنے لگا، لڑکے نے آکر بڑی رازداری کے ساتھ اس سے کہا؛

"ایک بہت ضروری کام ہے دروازہ بند کر لیجئے، تاکہ نہ کوئی ہماری بات سُن سکے نہیں ایک دوسرے سے بات چیت کرتے دیکھ سکے۔

عماد الدین کو اس عجیب و غریب فرمائش پر حیرت تو بہت ہوئی، لیکن اس نے کچھ کہا، اٹھ کر چپکے سے دروازہ بند کر لیا، اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا، لڑکے نے مطمئن ہو کر، جیب میں ہاتھ ڈالا، اور ایک لفافہ نکال کر، عماد الدین کے سامنے کر دیا، عماد الدین نے بےتابی کے ساتھ لفافہ لے لیا، کھولا، تو اس میں سنہرے بالوں کی ایک لٹ تھی، وہی لٹ جو اس نے شہزادی سیدۃ الملک کو واپس کی تھی:

اس نے بالوں کی لٹ ہاتھ میں لے لی، پھر لفافہ کے اندر سے ایک خط نکالا! اور اسے پڑھنا شروع کیا!

" تم نے میری مدد کی، اور فراموش کر دیا، لیکن میں اپنے محسن کو فراموش نہ کر سکی، تم نے اس وقت میری مدد کی، جب میں نے تمھیں مدد کے لئے بلایا نہ تھا، لیکن اب مدد کے لئے میں تمھیں پکار رہی ہوں کیا میری مدد کرو گے؟ کیا میرے کام آؤ گے؟ کیا میری جان بچاؤ گے؟ کیا میرے ناموس کی حفاظت کرو گے؟ ——

میں نے پہلے دن اندازہ کر لیا تھا تم بہادر ہو، شجاع ہو، اور ایک سچے انسان ہو، اب تمھاری بہادری، شجاعت اور انسانیت کے امتحان کا وقت آیا ہے، ایک عورت تمھیں مدد کے لئے بلا رہی ہے کوئی بہادر عورت کی مدد کرنے میں کبھی تامّل نہیں کرتا، جیسا کہ خود تم ایک مرتبہ کر چکے ہو!

اگر میرے یہ الفاظ تمھارے دل پہ دستک دیں، تو اسی وقت اس لڑکے کے ساتھ چلے آؤ ! —— اس خیال سے کہ اس خط کو تم جعلی یا پُر فریب نہ سمجھو، میں وہی لٹ لفافہ میں رکھ کر بھیج رہی ہوں جو تم نے مجھے واپس کی تھی!

یہ خط پڑھ کر عمادالدین ایک عجیب مصیبت میں گرفتار ہو گیا، ایک طرف سفر میں صرف چند گھنٹوں کی دیر، دوسری طرف، اس ہستی کی طرف سے بلاوا، جسے وہ پہلی ہی مرتبہ دیکھ کر دل و جان سے چاہنے لگا تھا، اور بلاوا بھی کیسا اثر انگیز کہ دشمن بھی اس بلاوے کو رد کرنے جرأت نہ کر سکے!

عمادالدین ساتھ چلنے پر رضامند ہو گیا، حبشی لڑکے نے کہا:

" تو میرے ساتھ چلیے، میں ہی آپ کی رہنمائی کر سکتا ہوں!

عمادالدین نے کہا،

"شاہی محل کے راستے سے میں بھی واقف ہوں!

حبشی لڑکے نے جواب دیا،

لیکن آپ صرف قصر شاہی میں نہیں بلکہ حرم سرائے شاہی میں جا رہے ہیں، جہاں [اُ]س خطائی راقمہ رہتی ہے، اور وہاں کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا: آپ کو خفیہ طور پر [ج]انا پڑے گا!

"خفیہ طور پر؟ — کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں عورتوں کے حال میں چلوں؟"

"جی نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ خفیہ راستے سے چلئے، جس سے صرف میں واقف [ہ]وں! — اگر آپ محل کے راستے سے جائیں گے، تو عمادالدین فراقوش سے ضرور [د]وچار ہونا پڑے گا، وہ آپ ہی کا مقرر کیا ہوا محافظ ہے، لیکن اسے یہ معلوم نہ ہونا چاہیئے [کہ آ]پ حرم سرا میں جا رہے ہیں؟

عمادالدین لاجواب ہو گیا، اس نے کہا:

"پھر تم کیا کرو گے؟"

وہ بولا،

میں آپ کو ایسے راستے سے حرم سرا میں لے جاؤں گا کہ کوئی بھی آپ کو نہ دیکھ [سکے]گا! — موتی محل (قصر لولو) اور قصر شاہی کے مابین ایسے کئی تہ خانے اور سرنگیں [ہیں] جن سے ہم چند حبشی خادموں کے سوا کوئی واقف نہیں ہے اسی طرف سے چلئے

یہ بات عمادالدین کے لیئے بالکل نئی، اور اچنبھے کی تھی، اس نے پوچھا:

عمادالدین: "تہ خانے؟ — سرنگیں؟ کیا واقعی؟ —

وہ لڑکا مسکرایا، اور اُس نے کہا،

"آپ کو حیرت کیوں ہو رہی ہے؟ میرے ساتھ چلئے! ــــ بات یہ ہے، کہ فاطمی خلفا نے جب اپنے محلات تعمیر کئے تو خواتین حرم کے باہر آنے، جانے، سیر و تفریح اور باغوں کی گلگشت کے لئے ایسے زیر زمین راستے تعمیر کئے، کہ خواتین حرم بڑی آسانی سے، بغیر بے پردہ ہوئے جہاں چاہتیں پہنچ جاتیں، ان ہی راستوں میں سے ایک راستہ وہ ہے، جدھر سے اس وقت میں آپ کو لے چلوں گا، عام طور پر یہی راستہ خواتین حرم کے استعمال میں رہا گیا ہے، کیوں کہ خلفا اور ان کی بیگمات موتی محل میں اکثر آیا جایا کرتی تھیں اور یہاں کافی رات تک ان کا قیام رہا کرتا تھا، یہاں تک کہ کئی خلفا نے یہیں انتقال کیا اور ان کی لاشیں اسی زیر زمین راستے سے قصر میں پہنچائی گئیں، یعنی خلیفہ الآمر باحکام اللہ، خلیفہ الحافظ لدین اللہ، اور خلیفہ الفائز کی یہیں وفات ہوئی، (۱) اس کے بعد خلفا نے اس محل کو چھوڑ دیا، اور دوسرے لوگ یہاں رہنے لگے!

---

(۱) خلکان

زیرِ زمین راستہ!

عماد الدین، حبشی لڑکے کی باتیں سُنکر بہت متحیر ہُوا، اور شش و پنج میں پڑ گیا، کہ
...رے؟ محل میں جانے سے انکار کرے؟ سفر پہ جانا بہت ضروری تھا، لیکن کیا سیدۃ الملک
...ے بارے پرنہ جانا بھی ممکن تھا؟ —— لیکن کیا وہاں سے ایسے وقت واپس آنا ممکن
...ا، کہ سفر کے پروگرام میں کسی طرح کا خلل نہ پڑے —— یہ سوچ کر اس نے حبشی لڑکے
...ے دریافت کیا۔

عماد الدین:۔ یہ تو بتاؤ، ہم کتنی دیر میں پہنچ جائیں گے وہاں؟

حبشی لڑکے نے جواب دیا:۔

"صرف چند لمحات میں، بس یوں سمجھئے پلک جھپکانے میں آپ وہاں ہوں گے

عماد الدین نے طے کر لیا کہ مجھے جانا ہی چاہیئے

عماد الدین:۔ اچھا تو زیادہ باتیں کر کے وقت ضائع نہ کرو، بڑے باتونی معلوم ہوتے ہو!

لیکن لڑکا جوں کا توں کھڑا رہا، اس نے جنبش بھی نہ کی؟

عماد الدین:۔ تم کھڑے کیوں ہو؟ چلتے کیوں نہیں؟

وہ بولا:۔ غروب آفتاب کا انتظار کر رہا ہوں، تاریکی میں وہاں چلنا زیادہ محفوظ
...، بہ نسبت روشنی کے!

عماد الدین کے لیئے اس وقت ایک ایک منٹ، ایک ایک دن سے زیادہ قیمتی
...ہا تھا، لیکن بات معقول تھی، ماننے بغیر کوئی چارہ نہ تھا، اس نے کہا

اچھا یہی سہی ــــــ لیکن تمھارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے، ایسا کرو، تم قصر کے باہر میرا انتظار کرو، اور غروبِ آفتاب کے فوراً بعد میں آجاؤں گا!

لڑکا راضی ہوگیا،

"بہت خوب" ــــــ خلیج کی طرف جو کھڑکی لگی ہے، میں اس کے نیچے آپ کا انتظار کروں گا، جب آپ کو آتا دیکھوں گا، لپک کر مل جاؤں گا آگے ــــــ ہاں میرے ہاتھ میں ایک چادر ہوگی، وہ اوڑھنی پڑھے گی آپ کو ــــــ!

عمادالدین "یہ کیوں؟ ــــــ اس کی کیا ضرورت ہے؟

لڑکے نے جواب دیا،

"تاکہ آپ کو کوئی پہچان نہ سکے ــــــ آخر احتیاط اچھی چیز ہوتی ہے ــــــ!

آخر عمادالدین کو پھر ہتھیار ڈال دینے پڑے'!

لڑکا تو ہنستا کھیلتا چلا گیا، لیکن عمادالدین کے لئے یہ وقت کاٹنا مشکل ہوگیا، طرح طرح کے خیالات آرہے تھے، اور اس کے دل کی دنیا درہم برہم کر رہے تھے، رہ رہ کر سیدۃ الملک یاد آتی، اور وہ اس سے عالمِ خیال میں باتیں کرنے لگتا، ان خیالات سے اکتا کر اس نے سیدۃ الملک کے بالوں کی لٹ اٹھا کر، ہاتھ میں رکھی، اور محبت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا، پھر اس نے اس کا خط نکالا، اور اسے پڑھنے لگا، پھر اس نے سوچا!

"آخر کیا پریشانی ہوسکتی ہے سیدۃ الملک کو؟ ــــــ شادی کی؟ کیا یہ شادی اس کی مرضی کے خلاف ہو رہی ہے؟ ــــــ اگر اس نے مجھ سے مشورہ طلب کیا تو میں کیا کہوں گا؟ ــــــ کیا یہ کہوں کہ وہ صلاح سے شادی کرلے؟ ــــــ ہاں مجھے

یہی کہنا چاہیئے، لیکن کیا میں یہ کہہ سکوں گا؟ ——— ایک طرف رشک، غیرت، اور جذبۂ محبت ہے، دوسری طرف وفاداری، جاں نثاری، اور ایثار ہے کیا کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟ کیا کہوں؟ کچھ عقل کام نہیں کرتی،

غروبِ آفتاب کے بعد ان ہی خیالات میں غلطاں و پیچاں وہ قصر سے باہر نکلا، خلیج کے قریب پہنچا تو ایک عورت کو اپنی طرف آتا دیکھا۔ حیران رہ گیا، یہ لڑکا عورت کیسے بن گیا، لیکن اس نے چادر جب منہ سے ہٹائی، تو معلوم ہوا، عورت نہیں وہی حبشی لڑکا ہے!

لڑکے نے بغل سے ایک چادر نکالی، اور عمادالدین کو دے دی، اس نے اُسے اوڑھ لیا، اور لڑکے کے پیچھے پیچھے چلنے لگا! ——— دونوں باغ کے اندر آگے پیچھے چل رہے تھے، اندھیرا ہر چہار طرف چھایا ہوا تھا، سوا درختوں کے سایہ کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا، اور وہ اس وقت بہت بھیانک نظر آرہے تھے۔ دیر تک دونوں اسی طرح چلتے رہے، پھر لڑکے نے عمادالدین کا ہاتھ پکڑا، اور ایک خندق میں اتر گیا۔ یہاں درختوں کی ڈالیاں اور پتے بکھرے پڑے تھے، ان ہی کے نیچے چور دروازہ تھا۔ لڑکے نے پتے ہٹائے، ڈالیوں کو سیدھا کیا فوراً دروازہ نمودار ہوا، یہ لوہے کا دروازہ تھا، دونوں نے زور لگا کر اسے کھولا، جس کے کھلتے ہی مرطوب اور بدبودار ہوا کا ایک جھونکا آیا، عمادالدین سمجھ گیا، زیرِ زمین راستہ یہی ہے ——!

لڑکے نے کہا:۔

"ہوشیار، بہت احتیاط کی ضرورت ہے، بس آپ میرے قدم بہ قدم چلے آیئے

عمادالدین اس کے قدم بہ قدم چلنے لگا، اس نے محسوس کیا کہ وہ پیر کے فرش پر

چل رہا ہے، لیکن اندھیرا اتنا زیادہ تھا کہ کچھ نظر نہ آتا تھا، بدبو بھی کہ بڑھتی جارہی تھی، اور اب ناقابل برداشت ہوچکی تھی، تھوڑی دور چلنے کے بعد عمادالدین جیسا جی دار آدمی بھی سہم گیا، وہ سوچنے لگا، کہیں غلطی تو نہیں کی اُس نے اس لڑکے کے ساتھ آکر ؟ — لیکن اب واپس جانا محال تھا — اس نے لڑکے سے دریافت کیا۔

عمادالدین :۔ تم راستہ کہیں بھول تو نہیں گئے ؟

وہ بولا :۔ جی نہیں، بھول کیسے سکتا ہوں ؛ آیا بھی تو اسی راستے سے تھا

اس جواب سے عمادالدین کو اطمینان ہوگیا، اور وہ پھر چپ چاپ چلنے لگا تھوڑی دیر کے بعد، راستے پر اسے کسی کے قدموں کی چاپ سی سنائی دی اتنے میں لڑکے نے کہا

"اب ہم قصر صغیر کے نیچے ہیں، ذرا دیر میں میدان کے نیچے ہوں گے، پھر خلیفہ کا محل آئے گا، اس کے بعد حرم سرا !"

تھوڑی دیر کے بعد لڑکے نے عمادالدین کو ٹھہر جانے کے لئے کہا۔ عمادالدین کھڑا ہوگیا۔ لڑکا ایک جانب مڑا، اور تہ خانے کا دروازہ کھول دیا۔ روشنی سی چمکی، اور عمادالدین کو معلوم ہوگیا کہ وہ محل کے اندر پہنچ چکا ہے فوراً ہی لڑکے نے عمادالدین کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ؛

"اس دروازے سے چلے جایئے"

عمادالدین تین زینے طے کر کے ایک دروازے پہ پہنچا، اس سے گزر کر ایک کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں شمع کا فوری جھلملا رہی تھی، عمادالدین نے روشنی میں دیکھا کہ وہ اور اس کا ساتھی، دونوں گرد میں اَٹے ہوئے ہیں، کپڑوں پر مکڑی کے جالے کی تہ بیٹھی ہوئی ہے عمادالدین نے کپڑے جھاڑے، جالا صاف کیا۔ گرد دور کی، پھر اشارہ سے دریافت کیا

"اب ـــــ؟"

لڑکے نے کہا،

"چادر یہیں چھوڑ دیجئے، اور میرے ساتھ ساتھ چلے آیئے!"

عمادالدین اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا، ذرا دیر میں دونوں ایک شاندار کمرے میں پہنچے، جہاں نہایت بیش قیمت فرش لگا ہوا تھا، عمادالدین کو کمرے کا سارا سامان دیکھ کر یہ اندازہ کرنے میں دشواری پیش آئی کہ یہ خلیفہ کی نشست گاہ ہے، لڑکے نے اشارہ سے کہا!

"یہاں بیٹھ جایئے!"

وہ اتنی دیر میں اس کے اشاروں پر چلنے کا عادی ہو گیا تھا، بیٹھ گیا پھر لڑکے نے کہا

"میرا انتظار کیجئے میں ابھی آیا!"

یہ کہہ کر چلا گیا، عمادالدین کمرہ میں بیٹھا رہا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا وہ دل ہی دل میں بہت پریشان تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، یہ کیا ہو رہا ہے؟ بڑی دیر تک یوں ہی چپ چاپ اور گم صم بیٹھا رہا، آخر اللہ اللہ کر کے لڑکا واپس آیا، اس کے ساتھ یاقوتہ بھی تھی!

یاقوتہ نے عمادالدین کو خوش آمدید کہا، درازیٔ عمر و اقبال کی دعا دی، اور لڑکے سے اشارے اشارے میں کہا کہ وہ چلا جائے، چنانچہ وہ چلا گیا، یاقوتہ اس کے قریب بیٹھ گئی اور کہنے لگی!

یاقوتہ:- "آج تمھیں بہت تکلیف دی ہم نے":

عمادالدین:- "خالہ آپ کیسی باتیں کرتی ہیں؟ تکلیف کیسی؟ بلکہ میں تو یہ اندیشہ کر رہا

ہوں، کہیں میرے آنے سے آپ لوگوں کو تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی؟

یاقوتہ:۔ نہیں بیٹا اس کا خیال بھی نہ کرو، ہمارے لئے تو وجہ مسرت ہے تمہاری آمد! —— بیٹے تم مجھے بھول تو نہیں گئے؟

عماد الدین:۔ نہیں خالہ، بالکل نہیں بھولا، اچھی طرح یاد ہیں آپ مجھے!

یاقوتہ:۔ وہ دن ہمیشہ یاد رہے گا۔ جب تم نے میری بچّی سیدۃ الملک کی جان بچائی تھی

عماد الدین:۔ یہ میرا فرض تھا!

یاقوتہ:۔ شہزادی سیدۃ الملک ہمیشہ تمہارا ذکر خیر کیا کرتی ہیں وہ تمہاری اتنی ممنون ہیں جس کی کوئی حد نہیں۔ ایک عرصہ تک وہ اس کی منتظر رہیں کہ تم مولانا امیرالمومنین کے پاس آؤ گے، اور اپنے کارنامہ کی اُن سے مدح لو گے — انعام پاؤ گے!

عماد الدین:۔ جی ہاں ضرور حاضر ہوتا، اگر میں نے شہزادی کو مال وزر، انعام اور بخشش کے لالچ میں دشمن سے بچایا ہوتا، میں نے جو کچھ کیا تھا، صرف ایک انسانی فریضہ خیال کرکے!

یاقوتہ:۔ مجھے اُمید ہے تم شہزادی سے مل کر بہت خوش ہو گے!

عماد الدین:۔ کاش شہزادی بھی مجھ سے مل کر خوش ہوتیں میرے فخر کے لئے اتنا کافی تھا! —— ان کا مزاج بعافیت تو ہے!

یاقوتہ:۔ ہاں اچھی ہیں — خدا انہیں سلامت رکھے!

عماد الدین:۔ آمین۔

یاقوتہ:۔ کیا تم کو شہزادی کا خط مل گیا؟

عماد الدین:۔ جی ہاں مل گیا!

یاقوتہ:۔ اور وہ بالوں کی لٹ؟

عمادالدین:۔ (جیب سے نکال کر) یہ رہی!

یاقوتہ:۔ کیا تم اسے پسند کرو گے کہ جس طرح پہلی دفعہ تم نے اپنے ہاتھ سے ان بالوں کو شہزادی کی خدمت میں پیش کیا تھا، ویسا ہی آج بھی کرو!

عمادالدین:۔ ضرور ـــــ لیکن شہزادی کس مصیبت میں گرفتار ہیں؟ انھوں نے مجھے مدد کے لئے کیوں طلب کیا ہے؟ کیا بات ہے، کچھ تو کہیئے؟

یاقوتہ:۔ یہ ابھی تمھیں خود معلوم ہو جائے گا، وہ بتائیں گی آکر ـــــ لیکن ہاں! انھوں نے یہ ہار تمھیں دیا ہے!

یہ کہہ کر یاقوتہ نے وہ ہار عمادالدین کی طرف بڑھا دیا، جو اس دن عاضد نے سیدۃ الملک کو دیا تھا، لیکن اس نے قبول کرنے سے انکار کیا!

عمادالدین:۔ شکریہ اس نوازش کا، لیکن میں ہار لے کر کیا کروں گا؟ مرد کا زیور ہار نہیں تلوار ہے، بہر حال میں شہزادی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے اس نوازش کے قابل سمجھا

یاقوتہ:۔ واپس کرنے میں جلدی نہ کرو، بیٹے، دیکھو تو کیسی گراں بہا چیز ہے یہ ـ!

عمادالدین:۔ جانتا ہوں، بہت گراں مایہ ہے، اسے دیکھ کر آنکھیں چکا چوند ہونے لگتی ہیں، نظر نہیں جمتی اس کی آب و تاب پر، میں نے اپنی ساری زندگی میں ایسا خوب صورت اور قیمتی ہار نہیں دیکھا، واقعی یہ عجیب و غریب چیز ہے

یاقوتہ:۔ پھر بھی واپس کیئے دے رہے ہو؟

عماد الدین :۔ ہاں! —— اس لیے کہ اوّل تو یہ میرے کام کا نہیں، دوسرے میں اسے کسی طرح قبول نہیں کر سکتا، خالہ ——

یاقوتہ :۔ بتا تو دو، کیوں؟

عماد الدین :۔ میں نے شہزادی کی اُس روز جو خدمت کی تھی، وہ قطعاً کسی انعام کی طلب میں نہیں تھی، اس ہار کے قبول کر لینے کے معنے یہ ہیں کہ میں نے مزدوری پائی، اور آپ خود غور کیجئے، کیا میری غیرت اسے گوارا کر سکتی ہے؟

۲۸
تنہائی کی ملاقات

یاقوتہ عمادالدین کو وہیں چھوڑ کر چلی گئی، تھوڑی دیر بعد وہ سیدۃ الملک کے ساتھ واپس آئی، سیدۃ الملک کے چہرے پہ نقاب پڑا ہوا تھا، صرف آنکھوں یا پلکوں کا کچھ حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ عمادالدین اسے اتنا دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا، اور یہ بات محسوس کر کے اسے بڑا دکھ ہوا تھا کہ غلاموں کی جنگ اور ہنگامہ آرائی کے دن، اس کی آنکھوں میں جو چمک رعنائی، اور تازگی نظر آ رہی تھی، آج اس کا کہیں پتہ نہ تھا —— یہ بڑی بڑی، اور پُر نور آنکھیں کچھ بجھی بجھی سی نظر آ رہی تھیں، آخر کیوں؛ کون سی بات ایسی رونما ہوئی جس نے شاہزادی کی شادابی اور رعنائی چھین لی، !

عمادالدین گردن جھکائے کھڑا تھا، اور سیدۃ الملک اس سے کہہ رہی تھی :-

سیدۃ الملک :۔ عمادالدین بیٹھ جاؤ —— تمھیں ہماری تعظیم و تکریم میں اس قدر مبالغہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم ہمارے محسن ہو، تم نے ہماری جان بچائی، ہم تمھارے ممنونِ کرم ہیں!

یہ کہہ کر سیدۃ الملک فرش پر بیٹھ گئی، اور عمادالدین کو بھی اشارہ کیا کہ بیٹھ جائے، یاقوتہ نے وہ ہار فرش سے اٹھا کر —— کیوں کہ وہ اب تک جوں کا توں رکھا تھا۔ سیدۃ الملک کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

یاقوتہ :۔ یہ ہار آپ کے حسب الحکم میں نے انھیں پیش کیا تھا۔ لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔ !

سیدۃ الملک نے ہار لے لیا اور عماد الدین سے کہا۔

سیدۃ الملک :۔ کیا اس حقیر، لیکن مخلصانہ ہدیہ کو تم قبول کرنے سے انکار کرتے ہو؛ کیا ہمارا دل رکھنے کے لئے بھی اسے قبول نہیں کر سکتے ؟

یہ کہہ کر سیدۃ الملک نے وہ ہار اپنے ہاتھ پر رکھ کر عماد الدین کی طرف بڑھایا۔

عماد الدین نے ادب اور تعظیم کے ساتھ اٹھ کر اسے لے لیا اور کہا؛

عماد الدین :۔ میں انعام کے طور پر تو اسے قبول نہیں کر سکتا، لیکن ایک ہدیہ کی طرح قبول کرتا ہوں؛

یاقوتہ ہنس پڑی، اس نے کہا؛

یاقوتہ :۔ تم نے میرے ہاتھ سے اسے قبول نہیں کیا، لیکن شہزادی کے ہاتھ سے قبول کرنے پر مجبور ہو گئے'!

عماد الدین :۔ تم نے اسے معاوضہ اور انعام کے طور پر دیا تھا، اور شہزادی نے ہدیہ کے طور پر اپنے خادم کو مرحمت فرمایا ہے!

سیدۃ الملک :۔ ہاں یہ ہدیہ ہے ـــــ اور محبت مخلصانہ!

یاقوتہ :۔ اور محبت آمیز بھی'!

سیدۃ الملک نے یہ سنکر شرم سے سر جھکا لیا، اس کے چہرہ کی کیفیت سے عماد الدین نے اندازہ کر لیا کہ صرف وہی محبت نہیں کرتا وہ بھی کرتی، اور اس خیال کے آتے ہی سرخوشی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی، اس پر تو شادی مرگ کا اندیشہ ہونے لگا، لیکن معاً صلاح الدین کا، اس کے پیام کا، خیال آیا، اور وہ دل تھام کر رہ گیا۔ سیدۃ الملک محبت کرنے کے باوجود اس کی نہیں ہو سکتی، وہ اس کے آقا کی تھی، اور اسے کوئی حق نہیں تھا کہ وہ اپنے

ی ہونے والی بیوی سے محبت کرے !ــــ لیکن اس دنیا کی ریت یہی ہے قسمت ب ساتھ چھوڑتی ہے تو حالات میں خود بخود ناسازگاری پیدا ہوتی جاتی ہے !

سیدۃ الملک نے اسے خاموش دیکھ کو کہا ! .

سیدۃ الملک :- تم نے ایسے موقع پر میری جان بچائی کہ میں اسے کبھی فراموش نہ کر وں گی ، درحقیقت میں نے اپنی ممنونیت ہی ظاہر کرنے کے لئے تمھیں "تکلیف دی ہے

عمادالدین :- ممنونیت کا نام لے کر مجھے شرمندہ نہ کیجئے ، میرے لئے اس سے بڑھ کر ی بات کیا ہو سکتی ہے کہ زندگی تک تصدق کر دوں آپ کے قدموں کے پر ! ــــ

سیدۃ الملک :- ہمیں تمنا تھی کہ تم سے ملیں ' ایسا شخص جو محسن بن چکا ہو بہت جلد ـــ

یاقوتہ :- محبوب بن جاتا ہے

یہ کہہ کر وہ ہنس پڑی ، شہزادی نے شرما کر سر جھکا لیا ، اس انداز سے عمادالدین کو اور ن ہو گیا کہ واقعی شہزادی اسے دل سے چاہتی ہے ورنہ اتنا بیباک لفظ یاقوتہ کی زبان ں آسکتا تھا ، اور اگر آ بھی جاتا تو شہزادی ضرور اسے سزا دیتی ، لیکن وہ ایسا معلوم تھا ۔ کہ خوش ہوئی ، اس حقیقی اور لطیف طنز سے !

ان باتوں نے ، اس فضا نے ، سیدۃ الملک کے التفات بے پایاں نے اس مجلس خصوصی نے عمادالدین کے دل میں یہ بات راسخ کر دی کہ

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی ،

اس خیال سے جہاں اس بات کی خوشی تھی کہ محبوب کا دل بھی محبت کا گنجینہ تھا ، اس بات کا غم بھی تھا کہ اس کا محبوب دل میں دور بہت دور ہوتا جا رہا ہے وہاں تک ناممکن ہوتی جا رہی ہے ، اسے پا لینے کا خیال ، دور از کار بنتا جا رہا ہے ــــ !

یا اللہ کیا ہوگا ـــــــ؟

کیا میں سیدۃ الملک کی محبت دل سے نکال پھینکوں؟ ـــــ لیکن کیا وہ میرے گوشۂ دل سے نکل بھی جائے گی؟ ـــــ

ایک طرف آقا کا خیال ہے، دوسری جانب، محبوب جاں نواز کی کشش ہے

کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے!

عمادالدین اسی ذہنی الجھن میں حیران و پریشان بیٹھا تھا کہ سیدۃ الملک نے اس سے کہا،

سیدۃ الملک:۔ کیا سوچ رہے ہیں آپ؟

عمادالدین چونک پڑا۔

عمادالدین:۔ کچھ بھی نہیں!

سیدۃ الملک:۔ آخر کچھ تو؟ ـــــ (مسکرا کر)

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے!

عمادالدین:۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ نے مجھے کیوں یاد فرمایا ہے؟ آیا میں آپ کے کام آسکوں گا یا نہیں؟

یاقوتہ:۔ کیا شبہ ہے تمہیں اپنے بارے میں کچھ؟

واہ بھیا اچھی قدر کی تم نے ہماری شہزادی کے التفات کی! ـــــــ

سیدۃ الملک:۔ نہیں خالہ، انھیں کچھ نہ کہو، یہ جو کچھ کر چکے ہیں، وہی بہت ہے، یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی آدمی ہر کام دوسروں کا کر دیا کرے، اگر یہ میری مدد نہ کر سکے تو مجھے ذرا بھی شکایت نہ ہوگی، میری ممنونیت بدستور قائم رہے گی!

عمادالدین :۔ ایسا نہ کہئے، میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں، اور اب پھر خدا کو گواہ بنا
[کر] عرض کرتا ہوں کہ میرے لئے اس سے بڑھ کر سعادت اور مسرّت کی کوئی بات نہیں ہو سکتی
[کہ] آپ کی کوئی خدمت سرانجام دوں"!

یاقوتہ :۔ (مسکراکر) اوہ تم انکسار کر رہے تھے ؟

سیدۃ الملک :۔ خالہ تم خاموش رہو، ہماری باتوں میں دخل نہ دو!

یاقوتہ :۔ اچھی بات خاموش رہوں گی ، بلکہ اگر کہو تو چلی جاؤں ، یہاں
سے —— !

سیدۃ الملک :۔ نہیں یہ تو نہیں کہتی لیکن بیچ میں بولنے کی عادت بُری ہوتی
ہے یہ میں پسند نہیں کرتی کہ بات کاٹی جائے !

عمادالدین :۔ نہیں کوئی مضائقہ نہیں ، خالہ کو آزادی ہے کہ جو چاہیں کہیں ،
[میں] اُن کی بات کا بُرا نہیں مان سکتا !

-:———————:-

ذہنی کشمکش

سیدۃ الملک اور عماد الدین بدستور آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

یہ عجیب منظر تھا، ایسا منظر جس کی تصویر نہیں کھینچی جا سکتی، جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، جسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے جس کا صرف تصور کیا جا سکتا ہے —— کبھی ایسا ہوتا کہ سیدۃ الملک خاموش ہو جاتی، اور ذر دیدہ نظروں سے اپنے محبوب کو دیکھنے لگتی، کبھی ایسا ہوتا کہ وہ گفتگو میں مصروف ہو جاتی، اُس کا لب ولہجہ، اُس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ، اس کا حُسن بے مثال، اس کی رعنائی اور برنائی، اس کا وقار جمال، اور اس کا پندار نسائیت عماد الدین، اور دیکھتا رہ جاتا، حقیقت یہ ہے کہ عماد الدین اس سے محبت کرنے لگا تھا، آج سے نہیں، اسی دن سے جب اس نے پہلے پہل اسے دیکھا تھا، جب اس نے بالوں کی وہ لٹ اس کی خدمت میں پیش کی تھی، جب ایک درندہ صفت انسان کے چنگل سے اس نے اسے بچایا تھا ——اور اسی گفتگو کے دوران میں صلاح الدین کی صورت اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی، جو اسے ملامت کرتی، ٹوکتی، جھڑکتی، جو اس سے کہتی، تم اس سے محبت کے پینگ بڑھا رہے ہو، جس کو میں زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہوں، تم اس سے یوں گھُل مل کر باتیں کر رہے ہو، جیسے میرے عقد نکاح میں آنا ہے تم یوں دوبدو، رو در رو اس کے سامنے بیٹھے ہو، جو میری بیوی بننے والی ہے، تم ——؟ جسے میں نے فرش سے عرش پہ پہنچا دیا، جسے میں نے خاک سے پاک کر دیا، جسے میں نے وہ ترقی دی کہ بڑے بڑے خاندانی امرا اس پر رشک کرنے لگے ہیں، جسے میں نے وہی منزلت اور شوکت عطا کر دی، جو خود

میرے پاس ہے کیا تم جیسے شخص کو مجھ جیسے محسن اعظم کے ساتھ یوں غداری کرنا چاہیئے ؟ تم میرے لئے اپنی جان قربان کر سکتے ہو، میرے پسینہ پر اپنا خون بہا سکتے ہو، میری زندگی کے لئے اپنی زندگی بھینٹ چڑھا سکتے ہو، لیکن اپنے نفس کو نہیں قربان کر سکتے ؟ اپنی محبت نہیں قربان کر سکتے" ؟

یہی پاس وفا ہے ؟

اسی کو وفاداری، اور جاں نثاری کہتے ہیں ؟

اور پھر ابھی تم نے وعدہ بھی تو کچھ کیا تھا ـ ؟

کسی مہم پر بھی تو نکلے تھے ہـــ کیا ہوا وہ عزم آہنی ؟

سارا وقت چشم و نظر، اور قلب و دماغ کی ان ہی عیاشیوں پر صرف کر دو گے ؟ـ

دفعتہً عمادالدین ان خیالات سے چونکا، وہ بیٹھے بیٹھے اٹھ کھڑا ہوا، اس نے کہا۔

" ملکہ عالیہ اب مجھے اجازت مرحمت ہو" !"

سیدۃ الملک نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا، اور ایک دل آویز تبسم ے ساتھ گویا ہوئی ؛

نہیں ـــــ تم نہیں جا سکتے، ہم نے تمھیں بلایا ہے، تم سے باتیں کرنی ہیں ہیں، ابھی جانے کا نام نہ لو!

سیدۃ الملک نے یہ باتیں ایک پندار، اور وقار، ساتھ ہی ساتھ، نازوانداز کے تھ کہیں کہ عمادالدین مبہوت ہو گیا، اس کا جی چاہا کہ یہ جاں مستعار ابھی اس کے قدموں پر ن کر دے، وقت کی رفتار رک جائے، وہ اسی طرح بیٹھا رہے، اس کے جمال جہاں ا کا نظارہ کرتا رہے، اس سے باتیں کرتا رہے، اس کی دل فریب باتیں سنتا رہے،

وہ بے بسی اور بے کسی کے ساتھ بیٹھ گیا، یاقوتہ بھی سامنے بیٹھی ہوئی تھی، اس نے عمادالدین کی کیفیت کا، اور ذہنی الجھنوں کا کسی حد تک اندازہ کرلیا، آخر، اپنے بال اس نے دھوپ میں تو سفید نہیں کئے تھے، کہنے لگی؛

"بیٹا، تم اسی طرح رسیاں تڑا رہے ہو" جیسے تمھیں کوئی ضروری کام ہے، جیسے تمھیں کہیں جانا ہے!

عمادالدین کو موقعہ مل گیا،

"جی ہاں، مجھے جانا تو ہے، ایک بڑے ضروری کام سے!

سیدۃ الملک چونک پڑی، ——————

"جانا ہے؟ کہاں جانا ہے؟ اور وہ بھی اسی وقت!؟

عمادالدین:۔ ہاں سیدۃ عالیہ، ابھی اور اسی وقت جانا ہے، ایک بڑے ضروری کام سے

سیدۃ الملک:۔ لیکن آخر کہاں؟ —— کیا کوئی رازکی مہم سرانجام دینے جا رہے ہو؟

عمادالدین:۔ ہاں سیدۃ عالیہ، میں اپنے آقا صلاح الدین کے ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں!

سیدۃ الملک کی تیوریاں، صلاح الدین کا نام سُنکر چڑھ گئیں اس نے بدمزگی کے ساتھ آقا صلاح الدین؟——

یاقوتہ بول پڑی؛

ہوگا وہ تمھارا آقا، لیکن، اب تو خدا نے خود تمھیں آقا بنانے کا امکان پیدا کر دیا تم بھی آقا بن سکتے ہو، اگر چاہو، اگر ہمت سے کام لو!

عمادالدین کے بدن میں جھرجھری سی پیدا ہوگئی، یاقوتہ کے ان الفاظ کا مطلب

کل صاف تھا، وہ سمجھ میں آگیا، اور جو کسر رہ گئی تھی، وہ سیدۃ الملک کی نگاہِ شرگیں نے
دی کردی، یا قوتہ کی باتیں سُن کر اس کا چہرہ سرخ ہوگیا، وہ عمادالدین سے آنکھیں نہ چار
سکی، یہ منظر دیکھ کر عمادالدین کے دل میں، جوش اور دارفتگی، عشق، اور سرگشتگی کی لہریں
ٹھنے لگیں، وہ دل ہی دل میں اپنے وجود پہ ناز کرنے لگا، وہ سوچنے لگا جس منزل کو میں
ت دور دراز سمجھتا تھا، وہ اتنی قریب نکلی، جس بات کو میں ناممکن سمجھتا تھا، وہ سہل الحصول
ئی، جس تمنّا کو دھکّے دے دے کر میں نے دل کے نہاں خانہ سے نکال باہر کیا تھا وہ خود
ر کسی سعی و کوشش کے میرے قبضہ میں آگئی، سیدۃ الملک حسن و جمال کے اعتبار سے یکتا
ندان اور نسب کے لحاظ سے بے مثال، دولت و ثروت کے نقطۂ نظر سے سب سے بالا
ب سے بلند، اثر و اقتدار کا خیال کیجئے، تو کوئی اس کا حریف نہیں، بلکہ سیدۃ الملک نے میری
ت قبول کر کے میری جھولی ہیں، ایک غلام کی جھولی ہیں، اپنی محبت ڈال دی اس نے کیا
ر سے بڑھ بھی کوئی خوش نصیب ہو سکتا ہے؟ کس طرح یقین کردوں؟ یاقوتہ سچ کہہ رہی ہے
ں سیدۃ الملک کی نگاہ شرم کو کس طرح جھٹلا دوں؟ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، اس نے میری
ت قبول کر لی، وہ میری بن سکتی ہے، وہ مجھے اپنا بنا لے گی! ــــــ اللہ ری خوش قسمتی!

لیکن کیا مجھ میں یہ سکت ہے کہ سیدۃ الملک کو صلاح الدین کے پنجہ سے چھین لوں؟
یسا ہو سکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے؟ ــــــ اور کیا میرے لئے یہ سزاوار ہے کہ جس آقا
لئے میں جان قربان کرنے نکلا ہوں، اس کے راستے میں پتھر بن کر کھڑا ہو جاؤں؟ کیا یہ
ت مجھے زیب دے گی: کہ میں غلام سے اس کا رقیب بن جاؤں؟

لیکن یہ صورت حال میں نے کب پیدا کی ہے، سیدۃ الملک نے خود مجھے چاہا، خود
بلایا ہے، خود مجھ سے اظہار التفات کیا، میں ان چیزوں کو، ان نعمتوں کو کس طرح

ٹھکرادوں؟ کیا یہ میری سب سے بڑی احسان فراموشی نہیں ہوگی؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی کفران نعمت ممکن ہے؟ صلاح الدین کا رقیب میں نے بننا نہیں چاہا، لیکن اگر خود محبوب، دو میں سے کسی ایک کو منتخب کرے تو؟ کھلی ہوئی بات ہے سیدۃ الملک صلاح الدین کو نہیں چاہتی اس سے شادی کرنا بھی اسے منظور نہیں، اگر وہ صلاح الدین پر مائل ہوتی، اگر وہ اس سے شادی کرنے پر راضی ہوتی، تو یوں، وہ مجھے چوروں کی طرح، اپنے ایوانِ خاص میں سرنگ کے راستے چور دروازے سے نہ طلب کرتی، یوں میرے سامنے بیٹھ کر مجھ سے باتیں نہ کرتی۔ یوں، اس کا التفات بے محابا میرے اوپر صرف نہ ہوتا یہ باتیں شہادت دیتی ہیں کہ صلاح الدین کو کسی طرح بھی گوارا نہیں کرسکتی"!

پھر میں کیا کروں؟ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ میں کیا کرسکتا ہوں؟

"سب سے پہلے مجھے اپنی مہم پر جانا چاہیئے، اس سے واپس آنے کے بعد حالات پر اطمینان و یک سوئی کے ساتھ غور کرسکوں گا، اور جب ہی کوئی صحیح رائے قائم ہوسکے گی"!

سیدۃ الملک نے دیکھا، عمادالدین پھر کسی خیال میں مستغرق ہوگیا، وہ کہنے لگی "میں دیکھ رہی ہوں، تم کسی فکر میں گرفتار ہو!"

وہ بولا:۔ نہیں سیدۃ عالیہ! میں کسی فکر میں گرفتار نہیں ہوں، البتہ انقلاب روزگار پر ضرور غور کر رہا ہوں، ایسا انقلاب میں نے نہ کبھی دیکھا، نہ کبھی سنا؟

سیدۃ الملک:۔ کس انقلاب روزگار کی طرف تم اشارہ کر رہے ہو؟ ہماری بدبختی زبوں حالی، زوال و انحطاط پر —— ؟

عمادالدین:۔ نہیں سیدۃ عالیہ، آپ کو کون بدبخت کہہ سکتا ہے، آپ کا

اقتدار زوال و انحطاط سے بے نیاز ہے!

سیدۃ الملک :۔ (ایک ادائے خاص سے) پھر ——؟

عمادالدین :۔ وہ انقلاب روزگار میری ذات سے تعلق رکھتا ہے ایک غلام اور یہ ایوان زرنگار، ایک غلام، اور یہ شبستان حسن وجمال، ایک غلام، اور سیدۃ الملک کا آستانہ، یہ اتنی بڑی سعادت، اتنی بڑی خوش قسمتی ہے، کہ مجھے یقین نہیں آتا

یاقوتہ :۔ کیوں یقین نہیں آتا؟ کہیں حقیقت بھی جھٹلائی جا سکتی ہے؟

سیدۃ الملک :۔ کئی مرتبہ سن چکی ہوں، آخر تم بار بار اپنے آپ کو غلام کیوں کہتے ہو؟ —————— تم کسی کے غلام نہیں ہو!

یاقوتہ :۔ خبردار، اب یہ لفظ زبان سے نہ نکالنا!

عمادالدین :۔ لیکن ابھی آپ ہی تو کہہ چکی ہیں، حقیقت جھٹلائی نہیں جا سکتی ——!

یاقوتہ :۔ وہ دوسری حقیقت تھی، اور تم دوسری بات کو اپنی نادانی سے حقیقت سمجھ رہے ہو!

سیدۃ الملک :۔ (تبسم کناں) ہاں تم نے یہ نہیں بتایا کہاں جا رہے ہو، تم، اس وقت؟

پھر، عمادالدین کے دل میں اصل فرض کی کھٹک پیدا ہوئی، وہ اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے کہا،

عمادالدین :۔ میں سیدۃ عالیہ کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے وہ فریضہ پھر مجھے یاد دلایا، جسے میں نے یہاں کی پرکیف مجلس میں فراموش

کہہ دیا تھا ؛

سیدۃ الملک :۔ (مسکرا کر) میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں !

عماد الدین :۔ (قدموں کو چھو کر) نہیں اب مجھے جانے دیجئے ، انشاء اللہ چند ہی روز میں حاضر ہوں گا ، پھر ہر وقت میں حاضر رہوں گا ، جب آپ یاد فرمائیں گی ، حاضر ہو جاؤں گا ۔

یاقوتہ :۔ سچ کہتے ہو ؟ وعدہ کرتے ہو ؟

عماد الدین :۔ دل و جان سے !

سیدۃ الملک :۔ (یاقوتہ سے) انھیں جانے دو ، انھوں نے وعدہ کر لیا ہے ، کہ واپسی پر پھر آئیں گے !

عماد الدین :۔ اس وعدہ پر میں ہر حالت میں قائم ہوں ؟

خطرہ ٹل گیا!

عمادالدین جانے کے لئے کھڑا ہوا، تو اُس نے رخصتی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن سیدۃ الملک نے مصافحہ نہیں کیا، اُس نے ایک نظر عمادالدین کو دیکھا اور نظریں نیچی کرلیں، وہ نہیں چاہتی تھی کہ عمادالدین اس قدر جلد چلا جائے، لیکن اب منہ سے کوئی ایسی بات بھی نہیں نکالنا چاہتی، جس سے اُس کا میلان قلب ظاہر ہو، پندار نسائیت اور وقار خاندانی اسے مجبور کررہا تھا کہ دل کی بات زبان پر نہ لائے اور عمادالدین بدستور ہاتھ بڑھائے کھڑا تھا۔

اتنے میں ایسا معلوم ہوا، جیسے کوئی دوڑتا ہوا ادھر آرہا ہے یہ آواز سن کر یاقوتہ کا تو دہشت کے مارے چہرہ سفید پڑگیا۔ سیدۃ الملک بھی پریشان سی نظر آنے لگی، لیکن خوف و دہشت کا اُس پر کوئی اثر نہ تھا، اتنے میں وہ لڑکا ہانپتا کانپتا داخل ہوا جو عمادالدین کو اپنے ساتھ لایا تھا، سیدۃ الملک نے اُس کی کیفیت دیکھی تو تیوری چڑھاکر پوچھا:-

سیدۃ الملک:- کیا بات ہے تو اتنا پریشان کیوں نظر آرہا ہے؟

بے انتہا اضطراب اور پریشانی کے ساتھ وہ بولا:-

محلات شاہی کے نگہبان اعلیٰ، استاد بہاؤالدین قراقوش آپ کی خدمت میں باریاب ہونا چاہتے ہیں:

قراقوش کا نام سُنکر، سیدۃ الملک، اپنی پریشانئ خاطر نہ چھپا سکی، اس نے اضطراب کے ساتھ پوچھا،

"یہ کیوں؟ وہ ہم سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟

لڑکے نے کہا:

"کچھ عجیب سی بات ہے!"

یاقوتہ: تو کہتا کیوں نہیں؟

وہ گویا ہوا:

آپ کے حکم سے میں محل کے دروازے پر کھڑا آنے والوں کو دیکھ رہا تھا۔

یاقوتہ: ہاں، میں نے تاکید کر دی تھی تجھے ــــ پھر؟

وہ کہنے لگا:

"میں نے دیکھا ایک شخص باہر سے محل کے دروازے کی طرف آ رہا ہے!

یاقوتہ: مضطرب ہو کر، کدھر ــــ کدھر؟

لڑکے نے کہا: "ہاں ــــ اسی طرف ــــ

یاقوتہ: تو آخر کون تھا وہ؟ ــــ

لڑکے نے جواب دیا: ــــ

میں نہیں جانتا، میں اسے بالکل نہ پہچان سکا، وہ ایک عبا میں لپٹا ہوا تھا اور اس کا چہرہ چھپا ہوا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا، بھیس بدل کر وہ کسی ٹوہ میں ادھر آیا ہے!

یاقوتہ: کون ہو سکتا ہے وہ؟ اچھا خیر تو اپنا ماجرا بیان کر،

لڑکے نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

"محل کے پھاٹک پر پہنچ کر اس نے بہاؤالدین قراقوش سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، فوراً ہی قراقوش نے باہر آ کر اس سے ملاقات کی، بڑی دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے

یاقوتہ :۔ کیا وہ باتیں ہمارے متعلق تھیں ـــــــ ؟

لڑکے نے قدرے تامل کے ساتھ کہا،

" یہ تو میں نہیں کہہ سکتا، اس لئے کہ دونوں میں رازدارانہ باتیں ہورہی تھیں۔ لیکن ازہ سے میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ قراقوش سے مطالبہ کررہا ہے کہ وہ محل کی خانہ تلاشی لے!

یاقوتہ :۔ (بے حد پریشان ہوکر) یہ تو نے کیسے جانا ؟

وہ بولا :۔ استاد قراقوش اسے رخصت کرکے محل میں آیا، اور ایک حبشی لڑکے کو حکم کہ وہ سیدہ عالیہ کے پاس آکر، اُس کی حاضری کی اجازت طلب کرے !ـــــــ میں یہ تے ہی بھاگا بھاگا آیا کہ اس کے پہنچنے سے پہلے خبر کردوں ـــ!

یہ سُنکر سب پر سنّاٹا چھاگیا، خوف اور دہشت کی ایسی کیفیت طاری ہوئی، تھوڑی کے لئے جس نے سب کو دم بخود کردیا، خود عمادالدین اس قدر دلیر اور جری ہونے کے ود سہم گیا، یاقوتہ کا تو جیسے کسی نے خون چوس لیا ہو، ہاں سیدۃ الملک کے دقار میں البتہ فرق نہیں آیا تھا، وہ بولی :

سیدۃ الملک :۔ میں نہیں سمجھ سکتی یہ کون سا انداز تھا جس نے قراقوش کے دل میں ڈال دیا ـــــــ شاید کسی نے عمادالدین کو آتا دیکھ لیا ہے ؟

یاقوتہ :۔ ہو سکتا ہے ـــ لیکن ناممکن، کون دیکھ سکتا ہے، بھلا عمادالدین ہاں آتے ہوئے ؟

سیدۃ الملک :۔ قراقوش قطعاً اس سلسلہ میں آرہا ہے !ـــــــ

یاقوتہ :۔ (بے انتہا اضطراب کے ساتھ) پھر کیا ہوگا ؟

سیدۃ الملک :۔ ہوگا کیا، ناکام و نامراد واپس جائے گا !

اب عمادالدین کے ہوش وحواس بھی بجا ہوئے، اس نے ایک سپاہیانہ بانکپن
کے ساتھ کہا!

عمادالدین:۔ ذرا بھی خوف نہ کیجیئے، جو کچھ بھی پیش آئے گا، میں اُسے بھگت لوں گ
میری جان، سیدۂ عالیہ کی عزت وحکومت پر قربان ہوگی ـــــــ اس سے بڑھکر کوئی اور
مصرف نہیں ہوسکتا!

یہ الفاظ سنکر سیدۃ الملک کا چہرہ فرط مسرت سے چمک اٹھا، ایسا معلوم ہوا جیس
اسے کوئی بہت بڑی دولت مل گئی، اس نے اثر انگیز لہجہ میں کہا۔

سیدۃ الملک:۔ ہاں۔ میں نے تمھیں اس لئے بلایا تھا، کہ تم میرے ناموس کی میری
آبرو کی، میری زندگی کی حفاظت کرسکو، ایک مرتبہ اور بھی تم نے یہ کام انجام دیا تھا، اور
اس دن سے میرے دل میں تم نے اپنی جگہ بنالی، مجھے تم پر اعتماد ہوگیا، بھروس
ہوگیا تمھارا سہارا پاکر!

عمادالدین:۔ میں سیدہ عالیہ کے ناموس وننگ پر بڑے فخر سے
اپنی زندگی قربان کرسکتا ہوں!

سیدۃ الملک:۔ ہاں ـــــــ ہمیں اس کا یقین ہے لیکن اب گفتگو کا موقع نہیں
(مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے) اب تم جاسکتے ہو اگرچہ تمھیں رخصت کر
کو جی نہیں چاہتا!

عمادالدین:۔ اور بالکل یہی کیفیت غلام کی بھی ہے!

سیدۃ الملک:۔ (متبسم برہمی کے ساتھ) پھر تم نے اپنے آپ کو غلام کہا،

عمادالدین:۔ میں سیدۂ عالیہ کا زندگی بھر غلام رہوں گا!

سیدۃ الملک :۔ خیر یہ باتیں پھر ہوتی رہیں گی! اب تم جا سکتے ہو۔ تمہیں جانا چاہیئے، جاؤ!

عماد الدین :۔ لیکن اس خطرہ میں سیدۂ عالیہ کو تنہا چھوڑ کر میں نہیں جا سکتا۔

سیدۃ الملک :۔ نہیں، مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے، میں کسی خطرہ کی پرواہ نہیں کرتی البتہ تمہارا یہاں رہنا اب خطرناک ہے اس لئے اپنے ارادہ کے خلاف تمہیں اذن رخصت دینے پر مجبور ہوں!——

عماد الدین :۔ میں انشاء اللہ سفر سے جلد واپس آجاؤں گا!

سیدۃ الملک :۔ ہاں یہی تم سے میں بھی کہنے والی تھی، جتنے الامکان اس سفر کو زیادہ سے زیادہ مختصر کر دو۔!

عماد الدین :۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا!

سیدۃ الملک :۔ اچھا خدا حافظ!

یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں، لیکن جلد ہی اُس نے اپنی اس کیفیت پر قابو پا لیا، اور لڑکے سے کہا!

"جاؤ ہمارے مہمان کو جس راستے سے لائے ہو، اسی راستے سے باہر پہنچا آؤ——

عقیدت کے ساتھ عماد الدین نے ایک مرتبہ پھر ہاتھ ملایا، اور لڑکے کے ساتھ اسی زمین دوز راستے پر چل پڑا جس سے وہ یہاں آیا تھا، اُس کے بعد پھر اُسے شاہزادی سیدۃ الملک کی اشک آلود آنکھیں یاد آتی رہیں، اُس کا دل مسلتا رہا اور ایک عجیب ذہنی اضطراب اس پر طاری ہو گیا۔

عماد الدین کو زمین دوز راستے تک پہنچانے کے بعد یاقوتہ نے بڑی احتیاط سے چور دروازہ بند کرلیا، وہ جیسے ہی اس کام سے فارغ ہوئی، اطلاع ملی کہ قراقوش شہزادی سیدۃ الملک کی خدمت میں باریاب اجازت چاہتا ہے

یہ سنکر سیدۃ الملک اس کمرے میں پہنچی، جہاں قراقوش اس کا انتظار کر رہا تھا، شہزادی نے مسند پر جاہ و تمکنت کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا؛

سیدۃ الملک :۔ تمھارا ہم سے ملنے کے لئے آنا ایک عجیب سی بات ہے!

قراقوش :۔ بجا ارشاد ہوا، واقعی مجھے ایسی جسارت کرنے کا حق نہیں تھا، لیکن میں مجبور تھا!

سیدۃ الملک :۔ خیر تو ہے ـــــ کون سی بات تمھیں یہاں کھینچ لائی ؟

قراقوش :۔ مجھے اطلاع ملی ہے محل کے اندر کوئی اجنبی آدمی آیا ہے! اسی کو دیکھنا چاہتا ہوں، وہ کہاں ہے؟

یہ سنکر سیدۃ الملک کی تیوریاں چڑھ گیئں، اس نے برہمی کے ساتھ کہا،

سیدۃ الملک :۔ تم ایک ایسا سوال مجھ سے کر رہے ہو، جس کا جواب تم ہی دے سکتے ہو ـــــ محل کی کنجیاں تمھارے قبضہ و تصرف میں ہیں، ساری کھڑکیاں اور دروازے تمھارے حکم سے بند ہیں، تم ہی شاہی محلات کے نگہبان اعلےٰ ہو ـــــ پھر اگر کوئی اجنبی یہاں آسکتا ہے، تو اس کی بازپرس تم سے ہونی چاہیئے نہ کہ کسی اور سے؛

یہ کھری کھری باتیں سُنکر قراقوش سہم گیا، اس نے اپنے حواس بجا کرکے کہا؛

قراقوش :۔ لیکن قصر کے دروازے سے تو کوئی نہیں آیا!

سیدۃ الملک :۔ (اور زیادہ غضبناک ہوکر) تو پھر کیا آسمان سے ٹپک پڑا ـــــ؟